ازواجِ مطہراتؓ

حافظ افروغ حسن

ازواجِ مطہراتؓ

حافظ افروغ حسن

مکتبہ اردو ڈائجسٹ
۲۴- سرکلر روڈ ، لاھور

قیمت۔/۱۳۰ روپے
دوسرا ایڈیشن
فاروق اعجاز قریشی نے جسارت پرنٹرز سے چھپوا کر ۲۴
سرکلر روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

حسن ترتیب

انتساب

اہلیہ مرحومہ اقبال جہاں بیگم کے نام ، جس کی
شخصیت شرم و حیا کے زیور سے مزین اور جس کا دل
کتاب اللہ کی محبت کے نور سے منور تھا جس کی باوفا اور
پرخلوص رفاقت نے مجھے زندگی کی بے پایاں مسرتوں اور
بے کراں راحتوں سے شاد کام کیا اور جس نے اپنی فانی
زندگی کے سفر کا اختتام اپنے اللہ کی وحدانیت اور اس کے
رسولؐ کی رسالت کی شہادت دیتے ہوئے کیا۔
خدا اس کی قبر کو جنت کا ایک باغیچہ بنا دے۔ آمین!

حافظ افروغ حسن

تعارف

ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور کے شمارہ دسمبر ۱۹۸۶ء میں برادر محترم حافظ افروغ حسن کا مضمون بعنوان "ام المومنین سیدہ خدیجہؓ" شائع ہوا تھا جسے قارئین نے بے حد پسند کیا۔ اس کے بعد ان کے قلم سے فروری ۱۹۸۷ء میں ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ پر اور جولائی و اگست کے شماروں میں ام المومنین سیدہ عائشہؓ پر مضامین اشاعت پذیر ہوئے۔ یہ مضامین اپنے اسلوب بیان اور طرز ادا میں اتنے عام فہم، دلنشین اور فکرانگیز تھے کہ علمی، ادبی اور دینی حلقوں نے بڑی گرمجوشی سے ان کا خیرمقدم کیا جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے متعدد ممتاز رسائل و جرائد نے انہیں نقل کر کے شائع کیا۔

علم دوست شائقین کی طرف سے یہ اصرار مسلسل جاری رہا کہ تمام امہات المومنین کے حالات اور ان کے عہد آفرین کارنامے اسی انداز میں قلم بند کر کے کتابی صورت میں شائع کئے جائیں۔ یہ کام خاصا دشوار اور محنت طلب تھا، مگر حافظ صاحب پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوا، انہیں توفیق عطا ہوئی اور انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کی رحمت کے سہارے اس عظیم علمی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ ان کی کاوشوں کا نتیجہ کتابی شکل میں "ازواج مطہرات" کے نام سے علمی دنیا کے سامنے پیش ہے۔

اردو زبان میں ازواج مطہراتؓ کے حالات پر مختلف چھوٹی بڑی کتابیں موجود ہیں لیکن اپنی علمی وجاہت کے باوجود وہ بڑی حد تک مختصر اور مجمل ہیں۔ حافظ صاحب نے اپنی کتاب میں کافی تفصیل سے کام لیا ہے۔

اس کتاب کی ایک نمایاں اور قابل ذکر خصوصیت اس کا "مقدمہ" ہے جو تقریباً ستر صفحات پر پھیلا ہوا ہے جس کا عنوان ہے "قرآن مجید اور ازواج مطہراتؓ"۔ اس مضمون میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید نے اپنے پیارے نبیؐ

کی رفیقہ ہائے حیات کا کیا مرتبہ اور کیا مقام متعین کیا ہے نیز اس کائنات کے خالق نے ان مقدس ہستیوں کے ذمے انسانیت کی تعمیر و فلاح کا جو تاریخ ساز کام لگایا تھا اسے انہوں نے کس خوش اسلوبی اور فرض شناسی سے انجام دیا۔ فاضل مصنف نے تاریخی مواد کی چھان پھٹک میں بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ ہر زیر بحث معاملے کو اس وضاحت و صراحت سے بیان کیا ہے کہ ذہن میں کوئی پیچیدگی اور کوئی ابہام پیدا نہیں ہوتا۔ زبان وبیان کی سادگی اور سلاست کے ساتھ ادب و احترام اور عقیدت و محبت کے جذبات کی لطافت نے کتاب کے مندرجات کو نشاط انگیز ' روح پرور اور ایمان افروز بنا دیا ہے۔

فاضل مصنف نے اپنی کتاب میں قرآنی آیات کا اردو ترجمہ تفہیم القرآن سے لیا ہے۔ یہ ترجمہ فصیح و بلیغ اور بامحاورہ ہے اس لئے قرآنی مطالب کو ذہن نشین کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

دعا ہے کہ یہ کتاب بارگاہ رب العزت میں قبولیت کے شرف سے بہرہ ور ہو۔ آمین!

ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی
۱۰ جون ۱۹۹۲ء
لاہور

دل کی بات

شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

خدا کے رحمٰن و رحیم ہونے کا سب سے اہم مظہر یہ ہے کہ اس نے نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنے آخری رسولؐ محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمتہ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور مومنوں کے لئے آپؐ کی ذات اور آپؐ کی شخصیت کو "رءوف" بھی بنایا اور "رحیم" بھی۔ اسی رافت و رحمت کا ثمرہ ہے کہ خالق کائنات نے آپؐ کی بیویوں کو اہل ایمان کی "مائیں" قرار دیا۔ "ماں" کا رشتہ ہے ہی پیار اور ممتا سے بھرپور' اس رشتے کی پاکیزگی' اس کی لطافت و ملائمت اور اس کی بے لوثی و بے غرضی ٹوٹے ہوئے دلوں کے لئے سہارا' پژمردہ روحوں کے لئے نسیم بہار کا جانفزا جھونکا اور جھلسی ہوئی طبیعتوں کے لئے آب حیات کے زندگی بخش جام شیریں کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں اپنے گناہوں' خطاؤں' لغزشوں ' بے اعتدالیوں' نفس پرستیوں اور ہوس رانیوں کی باد سموم کے تیز و تند اور جھلسا دینے والے تھپیڑوں سے جھلس کر اور بے جان ہوکر سکون و راحت اور فرحت و بشاشت کی تلاش میں اپنی روحانی ماؤں کے ٹھنڈے' سہانے' سدا بہار اور روح پرور سائے میں حاضر ہوگیا ہوں۔ اور حاضر ہوں بھی کیوں نہ؟ جبکہ میری جان سے بھی زیادہ

عزیز میرے ہادی و مرشد صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے:
"جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔"

میری یہ حاضری اگر میرے مالک حقیقی کے ہاں قبول ہوجائے تو میری دنیا بھی سنور گئی اور آخرت بھی۔

اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں یہی جذبہ اور یہی لگن کار فرما ہے۔ اس میں اچھائی اور بھلائی کی جو باتیں ہیں۔ اور دل نشینی اور اثر آفرینی کی جو کیفیت موجود ہے وہ صرف میرے اللہ کے کرم، اس کے فضل، اس کی عنایت اور اس کے بے پایاں احسان کا ایک ہلکا سا پرتو ہے۔ اور اگر اس میں کوئی فروگذاشت یا تسامح ہے تو وہ مجھ ناچیز اور بے مایہ کی کم علمی اور بے بضاعتی کا نتیجہ ہے۔ اہل علم سے نہایت ادب کے ساتھ التماس ہے کہ اگر وہ اس کتاب کے مندرجات میں کوئی قابل اصلاح بات پائیں تو خیر خواہی کے جذبے کے تحت اس کی نشاندہی فرمائیں۔ انشاء اللہ العزیز ان کے ہر صائب مشورے، ان کی ہر تعمیری تنقید اور ان کی ہر ہمدردانہ تنبیہہ کو خندہ پیشانی اور فراخدلی سے قبول کیا جائے گا۔

یہ کتاب ایک "مقدمہ" اور بارہ ابواب پر مشتمل ہے جیسا کہ فہرست سے ظاہر ہے۔ کتاب کی ضخامت پانچ سو صفحات سے تجاوز کر گئی ہے، اس لئے قارئین کی سہولت کے پیش نظر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ پہلی جلد میں مقدمہ اور پانچ ابواب شامل ہیں جبکہ دوسری جلد اپنے دامن میں باقی سات ابواب کے مضامین سمیٹے ہوئے ہے۔

فاضل دوست جناب محسن فارانی دلی شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے پروف ریڈنگ کا صبر آزما کام پوری توجہ اور عرق ریزی سے انجام دیا نیز

زبان و بیان کے سلسلے میں نہایت قیمتی اور قابل قدر مشوروں سے نوازا۔

اس کتاب کی اشاعت کی ذمے داری عزیزم فاروق اعجاز سلمہ نے سنبھالی ہے۔ وہ اپنے اس کٹھن فرض کی ادائیگی کے سلسلے میں جس لگن، جس مستعدی اور جس ذوق و شوق کا ثبوت دے رہے ہیں، اس پر رمضان المبارک کے الوداعی جمعے کی نورانی رات کے روح پرور لمحات میں دست بدعا ہوں کہ خداوند کریم ان کی کوششوں کو شرف قبولیت بخشے اور انھیں اور جملہ معاونین کو اپنی خصوصی عنایات و نوازشات سے بہرہ ور فرمادے۔ آمین!

آخر میں اپنے قابل احترام قارئین سے استدعا ہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے دوران جذبات و احساسات میں ایمان و ایقان، تعلق باللہ، حب رسولؐ اور اپنی روحانی ماؤں کی تعظیم و تکریم کی ایمان افروز بہار جلوہ فگن ہو تو اپنے اس بھائی کو بھی اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔

حافظ افروغ حسن

۲۹ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ — ۹۔ مدینہ بازار۔ اچھرہ لاہور

مطابق ۳ اپریل ۱۹۹۲ء

جمعہ۔ تین بجے شب

قرآن اور ازواج مطہراتؓ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	ازواج نبیؐ ہونیکا بے مثل اعزاز	۱۷
۲	طبقہ نسواں میں امتیازی مقام	۱۹
۳	عصمت و طہارت کی حفاظت کا انتظام	۲۰
	الف ۔ اہل بیت	۲۱
	ب ۔ اہل بیت کے محاسن و فضائل	۲۴
۴	اصلاح کا موثر نظام	۲۶
۵	امتحان میں کامیابی	۴۸
۶	دائمی رفاقت کا شرف	۵۱
۷	ازواج مطہرات کے گھروں کی قدرو منزلت	۵۲
۸	مومنوں کی مائیں ہونےکا بے مثل اعزاز	۵۵
۹	عورتوں کے حقوق کی حفاظت	۵۷
۱۰	پاکیزگی کردار کی تصدیق	۵۹
۱۱	ازواج مطہرات کے ساتھ حضورؐ کا مثالی حسن سلوک	۶۱
۱۲	حضورؐ کی شادیوں کی حکمتیں	۷۴
	الف ۔ تعلیم و تربیت	۷۵
	ب ۔ غلبہ دین	۷۹
	ج ۔ اصلاح رسوم	۸۲
	د ۔ شان رحمت کا اظہار	۸۳

جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و ارشادات، آپؐ کے افعال اور آپؐ کی پسند و ناپسند کی تفصیلات پوری دیانت و صداقت کے ساتھ آنے والی نسلوں تک پہنچائیں اور جس طرح اسوہ رسولؐ کی روشنی میں اپنی عملی زندگیاں منور کرکے قیامت تک نوع انسانی کے سامنے مینارہ نور کی حیثیت سے پیش کیں، اسی طرح رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے آپؐ کی نجی، عائلی اور خانگی زندگی کے مشاغل و مناظر بھی پوری شرح و بسط کے ساتھ اپنی دینی اور روحانی اولاد کے سامنے پیش کردیئے۔

ان دونوں برگزیدہ جماعتوں کا پوری امت مسلمہ بلکہ پوری انسانیت پر یہ عظیم ترین احسان ہے کہ انہوں نے قرآن و سنت کے انسانیت نواز اور حیات بخش علوم کو صرف اپنے قلب و ذہن میں محفوظ نہیں کیا، بلکہ اپنے افکار و نظریات، اپنے اخلاق و اعمال، اپنی تہذیب و معاشرت اور اپنی معیشت و اجتماعیت بھی عملی طور پر ان کے سانچے میں ڈھال کر اس کرہ ارض کے باسیوں کے سامنے بطور نمونہ پیش کردیں۔

ان دونوں مقدس اور بلند کردار گروہوں کے ذمے قدرت کی طرف سے ایک ایسی اہم اور عظیم خدمت سپرد ہوئی تھی جس کی بجاآوری کے ساتھ انسانیت کی فلاح و کامرانی وابستہ تھی۔ اس لئے ان کی مجموعی سیرت اور عمومی کردار کے متعلق بھی انسان کے خالق و مالک نے ہی اپنی آخری کتاب میں اپنی شہادت ریکارڈ کردی تاکہ آنے والی نسلیں پورے بھروسے اور کامل اعتماد کے ساتھ علم و حکمت اور حقائق و معارف کے ان سرچشموں کے آب

حیات سے اپنی تشنگی بجھا سکیں نیز اپنے فکر و عمل کی تمام نجاستوں، ظلمتوں اور آلائشوں کو زائل بھی کر سکیں۔

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا اخلاص و ایثار اور مجسمہ تسلیم و اطاعت ساتھیوں یعنی صحابہ کرامؓ کے متعلق قرآن مجید اپنی شہادت دنیا کے سامنے اس طرح پیش کرتا ہے:

"محمدؐ، اللہ کے رسولؐ ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ لوگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں۔۔۔ اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر تنے پر کھڑی ہو گئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک کام کئے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔" (سورہ فتح آیت ۲۹)

یہ تو تھا صحابہ کرامؓ کے متعلق بارگاہ ایزدی کی طرف سے پروانہ شرف و فضیلت اور سند اجابت و قبولیت۔ اب ہم حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی مرتبہ بیویوں کے متعلق قرآن مجید کی تصریحات قدرے تفصیل سے بیان کریں گے، کیونکہ اس وقت ہمارے زیر مطالعہ انہی معزز و محترم ہستیوں کی دینی و ملی خدمات، اللہ کے نبیؐ کے ساتھ ان کی وفاشعارانہ رفاقت اور خدا کے دین کی تعلیم و اشاعت میں ان کا تاریخ ساز کردار رہی ہے۔

۱۔ ازواج نبیؐ ہونے کا بے مثل اعزاز

ان بلند ہمت اور عالی حوصلہ خواتین کا اہم اور بے مثل اعزاز یہ ہے کہ خدائے ذوالجلال نے قرآن مجید میں انہیں چھ مقامات پر "ازواج النبی" کے معزز لقب سے نوازا ہے۔ "ازواج" زوج کی جمع ہے۔ عربی میں یہ لفظ ہم شکل، ہم مرتبہ اور مشابہ چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ اور لقب کے استعمال سے ثابت ہوا کہ خدائے علیم و خبیر کی نگاہ میں اس کے نبیؐ کی بیویاں اپنے فکر و نظر، اپنے اخلاق و اعمال اور اپنی سیرت و کردار میں اپنے شوہر نامدار کے ساتھ ایک گونہ مماثلت و مشابہت رکھتی ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایمان باللہ، توکل علی اللہ، اخلاص و للہیت، تسلیم و رضا، ایثار و وفا، صبر و قناعت، بے لوثی و بے غرضی، ابنائے جنس کی ہمدردی و خیرخواہی، جود و کرم، محبت و مودت اور عفو و کرم جیسے اخلاق فاضلہ کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں تو آپؐ کی ازواج مطہرات کے اعمال وافعال اور اخلاق و کردار بھی آپؐ کے اخلاق حسنہ کے انوار کی ضیاپاشیوں سے منور اور تابندہ ہیں۔

"ازواج النبی" کا یہ اعزاز اس امر کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ خوش بخت خواتین اپنے مزاج، اپنی طبیعت، اپنی فطرت اور اپنے خصائل و شمائل میں اتنی پاکیزہ، اتنی شستہ، اتنی مہذب اور اتنی دل آویز تھیں کہ وہ اپنے قابل احترام رفیق زندگی کے لئے قلبی سکون و اطمینان اور روحانی فرحت و بشاشت کا باعث تھیں۔ نیز آپؐ کے ساتھ ان کے تعلقات مودت و محبت اور

الفت و انسیت کی بنیاد پر استوار تھے جیسا کہ قرآن مجید نے اس مقدس رشتے کی فطری اور لازمی خصوصیات اس طرح بیان کی ہیں:

" اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے تمہاری ازواج (بیویاں) پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔"

(سورہ روم آیت ۲۱)

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام کی بیویاں ان کی ہم عقیدہ اور ہم مسلک نہیں تھیں قرآن مجید نے ان کے لئے "ازواج" کی بجائے "امراۃ" کا لفظ استعمال کیا ہے' جبکہ فخر موجودات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو سورہ احزاب میں چار جگہ اور سورہ تحریم میں دو جگہ "ازواج" کے معزز لقب سے نوازا گیا ہے۔

۲۔ طبقہ نسواں میں امتیازی مقام

ازواج مطہراتؓ ایک ایسی ہستی کے گھر کی ملکائیں تھیں جس کی ذات اور جس کا گھر پوری امت مسلمہ کے لئے ایک مثالی نمونہ تھا۔ اس لئے ان خواتین کی ذمے داریاں بڑی نازک، بڑی کٹھن اور نہایت اہم تھیں۔ یہاں عیش و عشرت اور ناز و نعم کی بجائے صبرو ضبط، ریاضت و مشقت اور ایثار و قربانی کا دور دورہ تھا۔ یہاں ہر لمحہ امتحان و آزمائش کا مرحلہ درپیش تھا اور ہر آن بلند اور اعلیٰ مقصد کی خاطر مرغوبات کی قربانی کا مطالبہ۔ انہی وجوہات کی بنا پر ان کے مرتبے اور ان کے مقام کو دوسری خواتین کے مقابلے میں نمایاں اور ممتاز قرار دیا گیا، اس کا اعلان قرآن مجید اس طرح کرتا ہے:

"نبیؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔"

(سورہ احزاب آیت ۳۲)

اس خصوصی اعزاز کے ساتھ انہیں اطاعت و فرماں برداری پر دوہرے اجر اور رزق کریم کی بشارت بھی سنائی گئی:۔

"تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دوہرا اجر دیں گے اور ہم نے ان کے لئے رزق کریم مہیا کر رکھا ہے۔" (سورہ احزاب آیت ۳۱)

۳۔ عصمت و طہارت کی حفاظت کا انتظام

یہ ممتاز اور عالی مرتبت خواتین رہبر انسانیت اور مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھروالیاں تھیں۔ اصلاح و قیادت کا یہ فقید المثال کام اسی صورت موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا تھا کہ قائد و مصلح کی پاکیزہ اور بے داغ شخصیت کے ساتھ ساتھ اس کے گھر کا ماحول بھی پاکیزہ ہو اور اس کے گھر کے مکین بھی ہر قسم کے اخلاقی عیوب اور معاشرتی رزائل سے پاک ہوں، چنانچہ قادر مطلق نے اپنے دین کی سربلندی اور اپنے مقرب ترین رسولؐ کی عزت و عصمت کی حفاظت کی خاطر ازواج مطہرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"نبیؐ کی بیویو! اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ دو۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت نبیؐ سے گندگی دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کرے۔" (سورہ احزاب آیت ۳۳)

اس آیت میں اللہ تعالے نے ازواج مطہرات کو ایک پانچ نکاتی فارمولا تلقین فرمایا ہے جو گھر اور گھر والوں کی پاکیزگی اور پاکبازی کا ضامن ہے اور ان کی وساطت سے امت مسلمہ کی خواتین کو یہ اشارہ دیا گیا ہے اگر وہ اپنے گھروں کے ماحول کو خوش گوار اور اپنی شخصیتوں کو باعزت باوقار بنانا چاہتی ہیں تو وہ بھی اس فارمولے پر عمل کریں جو درج ذیل ہے۔

۱۔ گھروں میں سکون سے ٹکنا

۲۔ جاہلانہ سج دھج کی نمائش سے اجتناب

۳۔ نماز کا قیام

۴۔ زکوٰۃ کی ادائیگی

۵۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت

خدائے حی و قیوم کو اپنے محبوب نبیؐ کے گھر کی حرمت اور عزت کی لاج تھی' اس لئے اس نے آپؐ کی گھروالیوں کو اس توفیق سے نوازا کہ انہوں نے ہر قسم کی اخلاقی' روحانی اور معاشرتی نجاست و آلائش سے محفوظ رکھنے والے اس نسخہ کیمیااثر پر کامل یکسوئی اور اخلاص سے عمل کیا۔

اہل بیت

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت جسے آیت تطہیر بھی کہا جاتا ہے' سورہ احزاب کی آیت نمبر ۳۳ ہے۔ اس سے پہلے آیت نمبر۲۸ سے شروع ہوکر آیت نمبر ۳۴ تک ایک ہی سلسلہ کلام جاری ہے جس میں ازواج نبی کا ذکر ہے اور انہیں خطاب کرتے ہوئے ہر آیت میں "جمع مونث حاضر" کا صیغہ استعمال کیاگیا ہے۔ زیر بحث آیت نمبر۳۳ کی ابتدا بھی اسی صیغہ سے ہو رہی ہے لیکن اس آیت کے آخری حصے میں جب اہل بیت کا لفظ آیا ہے تو ان کے لئے "جمع مذکرحاضر" کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے رحیم کے نزدیک نبیؐ کے اہل بیت میں ازواج مطہرات اور دیگر خواتین کے علاوہ کچھ مرد بھی شامل ہیں۔ اس سے اگلی آیت نمبر ۳۴ میں پھر"جمع مونث حاضر" کا صیغہ ہی استعمال ہوا ہے کیونکہ ذکر خواتین ہی کا ہورہا ہے۔

یہ بات تو کسی طور بھی قابل غور نہیں کہ اہل بیت میں صرف مرد ہی

شامل ہیں اور عورتیں اس سے خارج ہیں کیونکہ اس کرہ ارض پر ابھی تک کوئی ایسی انسانی زبان وجود میں نہیں آئی جس میں اہل بیت (گھروالوں) کے لفظ کے مفہوم میں صاحب خانہ کی بیوی یا بیویاں شامل نہ ہوں۔ ہماری زبان میں بھی بیوی ہی گھروالی کہلاتی ہے۔ اس لئے قرآن کے سیاق و سباق اور عرف عام کی بنا پر نبیؐ کے اہل بیت میں ازواج مطہرات تو بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔ اس کے بعد حضورؐ کی صاحبزادیاں یعنی سیدہ زینبؓ' سیدہ رقیہؓ' سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ فاطمۃ الزہراؓ خود بخود اس شرف میں شامل ہوجاتی ہیں۔ اب رہا مردوں کا معاملہ تو قرآن بتاتا ہے کہ حضورؐ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں۔ اس لئے اب نظر ان مردوں پر جاتی ہے جنہیں اس گھر سے دامادی کی نسبت حاصل تھی۔ مثلاً" حضرت علی کرم اللہ وجہہ جن کی تربیت و پرورش ہی اس مقدس گھر میں ہوئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جن سے اس گھر کی دو صاحبزادیوں کی شادیاں ہوئیں اور اسی وجہ سے "ذوالنورین" کے اعزاز سے مشرف ہوئے۔ حضرت ابوالعاص' جن کے نکاح میں آپؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینبؓ تھیں۔ گو ان کا اس تقدس ماب گھر سے دامادی کا تعلق ان کے کفر کی حالت میں قائم ہوا تھا اور تقریباً" ۷ھ میں ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوئے' لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کفر کی حالت میں بھی ان کا کردار ہر قسم کی بدعہدی' بددیانتی اور بدمعاملگی کے بدنما داغوں سے پاک رہا۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ جو صاحب خانہ کے نواسے اور بمنزلہ اولاد تھے' لازماً" اہل بیت میں شامل ہیں۔

مذکورہ بالا ہستیاں تو وہ ہیں جنہیں اس گھر سے رشتے اور قرابت کا تعلق تھا اور یہ تعلق تھا بھی فطری اور حقیقی' اس لئے رب کریم نے ان کی

سیرتوں اور ان کی شخصیتوں کو خصائل حمیدہ سے مزین کر کے قابل رشک اور لائق تقلید بنادیا۔

مالک کائنات کی نظر کرم تو اپنے پیارے نبیؐ کے گھر پر اتنی وسیع اور اتنی ہمہ گیر تھی کہ جن خوش قسمت افراد کا تعلق اس گھر سے خدمت کی بنیاد پر بھی قائم ہوگیا وہ بھی اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کے آسمان پر درخشندہ ستاروں کی طرح روشن ہوگئے۔ مورخین نے ان کی جو فہرست مہیا کی ہے اس میں شامل اشخاص کے اسمائے گرامی ہمارے اس دعوے کی تصدیق کے لئے کافی ہیں۔ چند نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ حضرت انسؓ بن مالک ــــ یہ حضورؐ کے خادم خاص تھے۔ آپؐ کے مدینے تشریف لانے پر حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر دس گیارہ سال تھی۔ مسلسل دس سال سفرو حضر میں آپؐ کی خدمت میں منہمک رہے۔ سنت کے علم کا کثیر حصہ امت کو ان کی وساطت سے ملا۔ ان سے بارہ سو چھیاسی (۱۲۸۶) احادیث مروی ہیں۔ سو سال کی عمر میں وفات پائی۔

۲ ۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود ــــ حضورؐ کی مسواکیں اور نعلین مبارک ان کی تحویل میں ہوتی تھیں۔ یہ عصا لے کر آپؐ کے آگے آگے چلتے تھے۔ ان سے آٹھ سو اڑتالیس (۸۴۸) احادیث منقول ہیں۔

۳ ۔ حضرت بلالؓ حبشی ــــ یہ عشق رسولؐ کے بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ حضورؐ کے موذن اور آپؐ کے اخراجات کے مہتمم تھے۔ سیدنا عمرفاروقؓ انہیں "سیدنا" (ہمارے سردار) کہہ کر پکارتے تھے۔

۴ ۔ حضرت اسقعؓ بن شریک ــــ آپؐ کی سواری کے نگران تھے۔

۵ ۔ حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی ــــ حضورؐ کے خچر کی دیکھ بھال ان

کے سپرد تھی۔

۶۔ حضرت خولہؓ، حضرت امت اللہ بنت زرینہ اور حضرت سلمیٰؓ اس گھر کی خادمائیں تھیں۔

اہل بیت کے محاسن و فضائل

اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں آیت نمبر ۲۸ سے آیت نمبر ۳۴ تک مسلسل اپنے اولوالعزم پیغمبر کی بیویوں کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی نبیؐ کے گھر والوں سے ہر قسم کی اخلاقی، روحانی اور سماجی آلائش دور کرنے کے ارادے کا اظہار کیا ہے۔ اس کے بعد اگلی آیت نمبر ۳۵ میں ان پسندیدہ افراد کی صفات و خصوصیات بیان کی ہیں جن کے لئے اس کے ہاں مغفرت بھی ہے اور اجر عظیم بھی۔ کلام کا سیاق و سباق اس طرف اشارہ کررہا ہے کہ اللہ اپنے مقبول و محبوب نبیؐ کے اہل بیت میں جو پاکیزگی اور پاکبازی دیکھنا چاہتا ہے وہ اس کے کرم و فضل اور معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض تربیت سے پیدا ہوچکی ہے نیز ان کی شخصیتوں اور ان کے کرداروں میں وہ خوبیاں اجاگر ہوچکی ہیں جو نگاہ خداوندی میں مطلوب و مقصود بھی ہیں اور باعث انعام و اکرام بھی۔ وہ قابل ستائش صفات یہ ہیں:

"بے شک جو مرد اور عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔" (سورہ احزاب آیت ۳۵)

تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت

(گھروالوں اور گھروالیوں) کی زندگیاں مندرجہ بالا اوصاف حمیدہ سے آراستہ و پیراستہ تھیں۔ ان کے چمنستان اخلاق اسلام و ایمان' اطاعت و فرمانبرداری' صبر و خشیت' جود و سخا' راست بازی و پاکبازی اور ذکر الٰہی کے گلہائے عطر بیز سے معطر تھے۔

۴۔ اصلاح کا موثر نظام

جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبیؐ کے گھروالوں اور گھروالیوں کو ہر قسم کی اخلاقی اور معاشرتی بے اعتدالیوں سے پاک دیکھنا چاہتا ہے کیونکہ پوری امت مسلمہ بلکہ پوری نوع انسانی کے لئے یہ نمونے کا گھر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اس امر کا انتظام کیا کہ جونہی ان سے بشری تقاضوں کے پیش نظر کوئی ایسا عمل صادر ہو جو ان کے منصب اور ان کے بلند مرتبے کے لحاظ سے کسی صورت بھی فروتر ہو تو انہیں فوراً ٹوک دیا جائے اور اصلاح کردی جائے۔ اس نقطہ نظر سے جب قرآن مجید کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو سورہ تحریم میں اس حکمت عملی اور اصلاح کے اس موثر نظام کی کارفرمائی پوری طرح سامنے آجاتی ہے۔ اس سورہ کی متعلقہ آیات کا ترجمہ ذیل میں درج ہے:

"اے نبی، تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے؟ کیا اس لئے کہ تم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہو؟ اللہ معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ نے تم لوگوں کے لئے اپنی قسموں کی پابندی سے نکلنے کا طریقہ مقرر کردیا ہے۔ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہی علیم و حکیم ہے۔ اور یہ معاملہ بھی قابل توجہ ہے کہ نبیؐ نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے راز میں کہی تھی، پھر جب اس بیوی نے کسی اور پر وہ راز ظاہر کردیا اور اللہ نے نبیؐ کو اس افشائے راز کی اطلاع دے دی تو نبیؐ نے کسی حد تک اس بیوی کو خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگزر کیا۔ پھر جب نبیؐ نے

اس افشائے راز کی یہ بات بتائی تو اس نے پوچھا کہ آپؐ کو اس کی خبر کس نے دی؟ نبیؐ نے کہا" مجھے اس نے خبر دی ہے جو سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرتی ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں اور اگر نبیؐ کے مقابلے میں تم نے باہم جتھہ بندی کی تو جان رکھو کہ اللہ اس کا مولیٰ ہے اور اس کے بعد جبریل اور تمام صالح اہل ایمان اور سب ملائکہ اس کے ساتھی اور مددگار ہیں۔ بعید نہیں کہ اگر نبیؐ تم سب بیویوں کو طلاق دے دے تو اللہ اسے ایسی بیویاں تمہارے بدلے میں عطا فرماوے جو تم سے بہتر ہوں، سچی مسلمان، باایمان، اطاعت گزار، عبادت گزار اور روزہ دار، خواہ شوہر دیدہ ہوں یا باکرہ"

(سورہ تحریم آیت ۱ تا ۵)

مندرجہ بالا پانچ آیات میں جو مضمون بیان ہوا ہے وہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان ازواج مطہرات سے تین ایسے افعال صادر ہوئے تھے جو اللہ کی نظر میں ان کی نازک حیثیت اور ان کے بلند مقام سے ہم آہنگ نہیں تھے، اس لئے ان پر گرفت کی گئی اور ان کے لئے اصلاح کے مواقع فراہم کئے گئے۔ وہ تین باتیں یہ تھیں:

۱۔ ازواج مطہراتؓ نے ایسی فضا پیدا کی جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خوشنودی کی خاطر ایک حلال اور جائز چیز کے استعمال نہ کرنے کا عہد کرلیا۔

۲۔ اللہ کے نبیؐ نے اپنی ایک بیوی سے ایک بات راز میں کہی، لیکن اس بیوی نے راز کی یہ بات کسی دوسری بیوی سے کہہ دی، اس طرح وہ افشائے راز کی مرتکب ہوئی۔

۴۔ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیویوں نے آپؐ سے اپنی کوئی بات یا اپنا کوئی مطالبہ منوانے کے لئے شدت کا مظاہرہ کیا اور اس معاملے میں دوسری ازواج مطہرات بھی ان کی ہم نوا تھیں۔

ان آیات کی تشریح و توضیح میں قدیم سیرت نگاروں اور مفسرین کرام نے مختلف واقعات بیان کئے ہیں اور بہت سی ایسی روایات بھی درج کی ہیں جو روایت و درایت کے معیار پر اس قابل نہیں اترتیں کہ ان کی صحت کو تسلیم کیا جاسکے۔ تاہم محدثین کرام اور بلند پایہ مفسرین عظام نے معتبر اور مستند روایات کی روشنی میں واقعات کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کو اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات اس دور میں ظہور پذیر ہوئے جب مدینے پر غسانیوں کے حملے کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔ غسانی' شام کا ایک عیسائی خاندان تھا جو رومیوں کی شہ پر مدینے پر حملے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ یہ حملہ ۹ ھ میں متوقع تھا' چنانچہ علامہ ابن حجر نے اپنی شہرہ آفاق کتاب فتح الباری میں دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ان واقعات کا تعلق ۹ ھ کے ابتدائی دور سے ہے اور یہ سورہ تحریم بھی اسی زمانے میں نازل ہوئی۔

وقت کے تعین کے بعد کاشانہ نبوت کی صورت حال کا سمجھنا نہایت آسان ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے ان رونما ہونے والے واقعات کے اسباب و عوامل کا پتہ لگانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آتی۔ اس وقت حرم نبوی کی صورت حال اس طرح تھی:

۱۔ کاشانہ نبوت میں اس وقت نو ازواج مطہراتؓ رونق افروز تھیں۔

اس طرح ہر زوجہ مطہرہؓ کو اس وقت آٹھ سوکنوں کا سامنا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کی محبتوں اور عقیدتوں کی مرکزی شخصیت ایک ہی ہستی تھی' یعنی اللہ کے محبوب رسولؐ کی ذات اقدس ' اس لئے ان میں سے ہر ایک میں جذبہ مسابقت کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔

۲۔ ذی الحجہ ۸ ھ میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو ان کی کنیز ماریہ قبطیہ کے بطن سے ایک فرزند عطا فرمایا جس کا نام ابراہیم رکھا گیا۔ اس وقت حضورؐ کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی۔ آپؐ نے اس صاحبزادے کی ولادت پر مسرت و انبساط کا بھرپور اظہار فرمایا۔ ماریہ قبطیہ ایک کنیز تھیں لیکن اب وہ خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے بیٹے کی ماں بھی تھیں۔ اس حیثیت نے ان کی قدرو منزلت میں بے پناہ اضافہ کردیا۔ اس کے برعکس تمام ازواج مطہرات اس نعمت سے محروم تھیں' اس لئے ان کے جذبہ رشک و غیرت میں ہیجانی کیفیت کا پیدا ہونا نسوانی فطرت کے عین مطابق تھا۔

۳۔ حضورؐ کا گھر ایک سربراہ مملکت کا گھر تھا' لیکن اس کی شان ہی نرالی تھی۔ یہاں فقرو عسرت کا دور دورہ تھا۔ تمام عرب کے زیر نگیں ہوجانے کے باوجود صاحب خانہ فاقہ کش ہی رہے۔ زہدو قناعت کی اس کیفیت کا اندازہ صحیح بخاری کی اس روایت سے ہوجاتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ وفات کے وقت آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں چند سیر غلے کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی اور جن کپڑوں میں آپؐ کا وصال ہوا ان پر اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔

اس گھر کی عالی حوصلہ ملکائیں گو صحبت نبوی کے فیض سے صبرو قناعت اور تسلیم و رضا کی مثالی پیکر بن چکی تھیں ' تاہم ان کا تعلق نوع انسانی کی اس

جنس لطیف سے تھا جس کی مرغوبات میں خوش ذائقہ خوراک' عمدہ لباس اور سامان زینت و آرائش ترجیحی بنیاد پر شامل ہیں۔ پھر ان پاکباز خواتین میں ایسی رئیس زادیاں بھی شامل تھیں جن کی پرورش ہی ناز و نعمت میں ہوئی تھی۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی دیکھ رہی تھیں کہ فتوحات کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے اور مال غنیمت اس کثرت سے آرہا ہے کہ اس کا تھوڑا سا حصہ بھی ان کی تنگی' عسرت اور فاقہ مستی کو آرام و راحت' فارغ البالی اور خوش حالی میں تبدیل کرسکتا ہے۔

یہ تھے وہ حالات و محرکات جنہوں نے بقول ڈاکٹر محمد حسین ہیکل ازواج مطہرات کے جذبات و احساسات میں ایک ہیجانی اور اضطراری کیفیت پیدا کردی تھی جس کے نتیجے میں قرآن کے بیان کردہ واقعات ظہور میں آئے۔

اب ہم ذیل میں مستند روایات کے حوالے سے ان واقعات کی تفصیل بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

حلال چیز ترک کرنے کا واقعہ

وہ جائز اور حلال چیز کیا تھی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے قسم کھا کر استعمال نہ کرنے کا عہد کرلیا تھا۔ اس کی تفصیل ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی اس روایت سے مل جاتی ہے جسے امام بخاری' امام مسلم ' امام نسائی اور امام ابوداؤد کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور اکابر اہل علم مثلاً" امام نسائی ' قاضی عیاض ' قاضی ابوبکر' امام نووی' حافظ بدرالدین' ابن ہمام اور حافظ ابن کثیر نے پورے وثوق سے کہا ہے کہ اس واقعے کی حقیقت وہی ہے جو اس روایت میں بیان ہوئی ہے۔ ام المومنین بیان فرماتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم ہر روز نماز عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات کے ہاں چکر لگایا کرتے تھے۔ ایک موقع پر ایسا ہوا کہ آپؐ زینبؓ بنت جحش کے ہاں جاکر زیادہ دیر تک بیٹھنے لگے کیونکہ ان کے ہاں کہیں سے شہد آیا ہوا تھا چونکہ آپؐ کو شیرینی بہت پسند تھی اس لئے آپؐ وہاں شہد کا شربت نوش فرمایا کرتے تھے۔ مجھے اس پر رشک لاحق ہوا اور میں نے سودہؓ، حفصہؓ اور صفیہؓ سے مل کر یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آپؐ تشریف لائیں وہ آپؐ سے یہ کہے کہ آپؐ کے دہن مبارک سے مغافیر کی بو آتی ہے، چنانچہ جب آپؐ اپنی ان بیویوں کے پاس تشریف لائے تو سب نے یہی بات کہی کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا "میں نے تو زینبؓ کے ہاں شہد پیا تھا، آئندہ نہیں پیوں گا۔"

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے یہ تدبیر حضورؐ کو زینبؓ کے ہاں زیادہ دیر تک ٹھہرنے سے روکنے کے لئے اختیار کی تھی جو کارگر ثابت ہوئی لیکن ساتھ ہی قرآن کی یہ آیتیں بھی نازل ہوگئیں۔

سیدہ عائشہؓ نے جو تدبیر اختیار کی تھی اور مغافیر کی بو کا جو ذکر مختلف ازواج نے کیا تھا وہ خلاف واقعہ یا جھوٹ نہ تھا۔ مغافیر ایک قسم کا پھول ہے جس میں کچھ بساند ہوتی ہے۔ اگر شہد کی مکھی اس سے شہد حاصل کرے تو اس میں بھی اس بساند کا اثر آجاتا ہے۔ دوسرے یہ بھی حقیقت تھی کہ حضورؐ کا مزاج نہایت نفیس اور آپؐ کی طبیعت بڑی لطیف تھی اور آپؐ کو یہ بات کسی طور گوارا نہ تھی کہ آپؐ میں کسی قسم کی بدبو پائی جائے۔

ان حقائق کے باوجود سیدہ عائشہؓ اور دوسری ازواج مطہرات کا اس طرح ایکا کرنا ان کے جذبہ مسابقت و منافست کا مظہر تھا، جو ان کے بلند مرتبے

سے فروتر تھا۔ اس لئے ایک طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اس بات پر ٹوکا کہ آپؐ نے اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے۔ یہ فعل آپؐ کے ذمہ دارانہ منصب کے لحاظ سے مناسب نہ تھا' لیکن یہ کوئی گناہ بھی نہ تھا کہ اس پر مواخذہ کیا جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے صرف ٹوک کر اصلاح کردینے پر اکتفا کیا اور اپنے نبیؐ کی اس لغزش کو معاف کردیا۔

دوسری طرف ازواج مطہرات کو بھی اس بات پر متنبہ کیا گیا کہ انہوں نے ازواج نبیؐ ہونے کی حیثیت سے اپنی نازک اور لطیف ذمہ داریوں کا احساس نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے رسولؐ سے ایسا کام کروایا جس سے ایک حلال چیز کے حرام ہونے کا خطرہ ہوسکتا تھا۔

افشائے راز

سورہ تحریم کی آیت نمبر۳ میں افشائے راز کا واقعہ ہے۔ یعنی حضورؐ نے اپنی ایک بیوی سے ایک بات راز میں کہی لیکن بیوی نے یہ بات کسی دوسری بیوی پر ظاہر کردی۔ وہ راز کی بات کیا تھی؟ اور اس کا افشاء کس زوجہ مطہرہ سے سرزد ہوا تھا؟ یہ سوالات بذات خود کسی اہمیت کے حامل نہیں۔ اس آیت کا اصل مقصد اس زوجہ مطہرہ کو جس سے پہلی مرتبہ اس قسم کی چوک ہوگئی تھی' یہ احساس دلانا تھا کہ وہ کسی معمولی شوہر کی بیوی نہیں' بلکہ اس عظیم ہستی کی رفیقہ حیات ہے جسے اس کائنات کے شہنشاہ نے انتہائی ذمے داری کے منصب پر فائز کیا ہے' جسے ہر وقت اسلام دشمن قوتوں سے مسلسل اور پیہم جہاد اور کشمکش کا سابقہ درپیش ہے اور جس کی قیادت و رہنمائی میں کفر و ظلم کے استبدادی نظام کی جگہ اسلام کے عادلانہ اور منصفانہ

نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد ہورہی ہے۔ ایسی ہستی کے گھر میں بے شمار ایسی باتیں ہوتی ہیں جو اگر راز نہ رہیں اور قبل از وقت ظاہر ہوجائیں تو اس عظیم جدوجہد اور اس مہتم بالشان مقصد کو نقصان پہنچ سکتا ہے جس کے لئے اللہ کا نبیؐ اور اس کے اہل ایمان ساتھی اپنی جانوں تک کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔

اس اصولی توضیح کے باوجود ہم ذیل میں مستند روایات کی روشنی میں یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ وہ راز کی بات کیا تھی اور افشائے راز کی یہ چوک پہلی مرتبہ کس زوجہ نبیؐ سے ہوگئی تھی تاکہ ان افسانوں اور داستانوں کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے جو اس دور کے منافقین نے اپنے کمینہ مقاصد و عزائم کی خاطر گھڑی تھیں اور جن کی بنیاد پر ہر دور کے کینہ پرور لوگوں نے امہات المومنین کے منور اور روشن کردار اور ان کی دینی خدمات کی عظمت کو گہنانے کی ناکام کوششیں کی ہیں۔ ہم اس سے پہلے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی شہد کے واقعے کے متعلق تفصیلی روایت درج کرچکے ہیں۔ اس روایت کو امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں جس طرح بیان کیا ہے اس کے آخری حصے کے الفاظ اس طرح ہیں:

"میرے کہنے پر حفصہؓ نے بھی حضورؐ سے کہا کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا "میں نے مغافیر نہیں کھایا' بلکہ میں نے تو زینبؓ کے ہاں شہد پیا تھا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ شہد کا شربت نہیں پیوں گا لیکن تم اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔"

اس روایت سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ راز کی بات کیا تھی اور آپؐ نے راز کی یہ بات اپنی کس بیوی سے کہی تھی۔ اب ہم ایلا کے واقعے کے

متعلق حضرت عمرؓ کی مفصل روایت کا وہ حصہ درج کرتے ہیں جس سے یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ یہ راز کسے بتایا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں:

"دراصل بات یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے ۲۹ راتوں کے لئے کنارہ کش ہوگئے تھے' اس بات کی وجہ سے جو حفصہؓ نے عائشہؓ کو بتادی تھی اور جس کے نتیجے میں آپؐ کو شدید رنج ہوا تھا۔"

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی معرکہ آرا تفسیر' معارف القرآن میں اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"حضورؐ نے آئندہ شہد کا شربت استعمال نہ کرنے کی قسم جو ام المومنین حضرت حفصہؓ کے سامنے کھائی تھی' آپؐ نے انہیں کسی اور کو اس کی خبر کرنے سے اس لئے روکا تھا کہ جب اس کا علم حضرت زینبؓ کو ہوگا تو انہیں دکھ ہوگا اور آپؐ اپنے کریمانہ اخلاق کی وجہ سے کسی کو تکلیف پہنچانا نہیں چاہتے تھے۔"

بظاہر افشائے راز کا یہ واقعہ نہایت معمولی نظر آتا ہے لیکن اس کے باوجود خدا کی طرف سے اس پر اتنی سخت گرفت ہوئی کہ اس کا ذکر وحی جلی کے ذریعے اپنی آخری کتاب میں کیا جو قیامت تک پڑھی جانے والی تھی۔ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے صاحب تفہیم القرآن' سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ رقم طراز ہیں:

"(جب نبیؐ کے گھر) کی ایک خاتون سے پہلی مرتبہ یہ کمزوری ظاہر ہوئی کہ اس نے ایک ایسی بات کو جو اس سے راز میں کہی گئی تھی کسی اور پر ظاہر کردیا' اگرچہ وہ کوئی غیر نہ تھا بلکہ اپنے ہی گھر کا ایک فرد تھا تو اس پر

فوراً" ٹوک دیا گیا اور درپردہ نہیں بلکہ قرآن مجید میں برملا ٹوکا گیا' تاکہ نہ صرف ازواج مطہرات کو بلکہ مسلم معاشرے کے تمام ذمہ دار لوگوں کی بیویوں کو رازوں کی حفاظت کی تربیت دی جائے۔ آیت میں اس سوال کو قطعی نظرانداز کردیا گیا ہے کہ جس راز کی بات کو افشاء کیا تھا وہ کوئی خاص اہمیت رکھتی تھی یا نہیں اور اس کے افشاء سے کسی نقصان کا خطرہ تھا یا نہیں۔ گرفت بجائے خود اس بات پر کی گئی ہے کہ راز کی بات کو دوسرے سے بیان کردیا گیا اس لئے کہ کسی ذمے دار ہستی کے گھر والوں میں اگر یہ کمزوری موجود ہو کہ وہ رازوں کی حفاظت میں تساہل برتیں تو آج ایک غیراہم راز افشاء ہوا ہے' کل کوئی اہم راز افشاء ہوسکتا ہے اور یہ کمزوری کسی وقت بھی بڑے خطرے کی موجب بن سکتی ہے۔" (تفہیم القرآن جلد ۶ صفحہ ۳۲)

مظاہرہ

سورہ تحریم کی چوتھی اور پانچویں آیات میں ازواج مطہرات کے جس مظاہرے کا ذکر کیا گیا ہے' اس کی تفصیلات درج ذیل معتبر روایات سے سامنے آجاتی ہیں:

دو ازواج کے نام

حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں:۔ میں مدت سے اس فکر میں تھا کہ حضرت عمرؓ سے پوچھوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے وہ کون سی دو بیویاں تھیں جنہوں نے حضورؐ کے خلاف جتھہ بندی کی تھی لیکن ان کی ہیبت کی وجہ سے میری ہمت نہ پڑتی تھی' لیکن حج سے واپسی کے ایک سفر میں انہیں وضو کراتے ہوئے مجھے موقع مل گیا اور میں نے

یہ سوال پوچھ لیا۔ انہوں نے جواب دیا" وہ عائشہؓ اور حفصہؓ تھیں۔"

(بخاری، مسلم، ترمذی)

یہ روایت حضرت عمرؓ کی صاف گوئی کی ایک روشن دلیل ہے کہ انہوں نے ایک حقیقت بیان کرتے ہوئے اپنی بیٹی حفصہؓ کا نام لینے سے بھی گریز نہ کیا۔

پلٹ کر جواب دینا

حضرت عمرؓ حرم نبوی کی صورت حال سے بخوبی واقف تھے کیونکہ انکی صاحبزادی سیدہ حفصہؓ بھی اس کاشانہ اقدس میں رونق افروز تھی اس لئے اس وقت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

"ہم قریش کے لوگ بیویوں کو دبا کر رکھنے کے عادی تھے۔ جب ہم مدینہ آئے تو ہمیں یہاں ایسے لوگ ملے جن پر ان کی بیویاں حاوی تھیں۔ اور یہی سبق ہماری عورتیں ان سے سیکھنے لگیں۔ ایک دن میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے پلٹ کر جواب دے رہی ہے۔ مجھے یہ بات بہت بری لگی۔ اس نے کہا" آپ اس بات پر کیوں بگڑتے ہیں کہ میں آپ کو پلٹ کر جواب دوں۔ خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپؐ کو دوبدو جواب دیتی ہیں اور حضورؐ ان سے دن بھر ناراض رہتے ہیں۔" یہ سن کر میں گھر سے نکلا اور اپنی بیٹی حفصہؓ کے ہاں گیا۔ میں نے اس سے پوچھا" کیا تو رسول اللہ کو دوبدو جواب دیتی ہے؟" اس نے کہا "ہاں۔" میں نے پوچھا۔" کیا تم میں سے کوئی دن بھر حضورؐ سے ناراض رہتی ہے؟" اس نے کہا "ہاں۔" میں نے کہا۔"نامراد ہوگئی اور گھاٹے میں پڑ گئی وہ عورت جو تم میں سے ایسا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے بے خوف

ہوگئی ہے کہ اپنے رسولؐ کے غضب کی وجہ سے اللہ اس پر غضب ناک ہوجائے اور وہ ہلاکت میں پڑ جائے؟ اللہ کے رسولؐ سے کبھی زبان درازی نہ کر اور نہ ان سے کسی چیز کا مطالبہ کر۔ میرے مال سے تیرا جو جی چاہے مانگ لیا کر۔"

(بخاری، مسلم)

توسیع نفقہ کے مطالبے میں شدت

ایک دن مسلمان مسجد نبوی میں نماز کے لئے جمع ہوئے، لیکن حضورؐ تشریف نہ لائے۔ اس سے مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوئی اور وہ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ حضرت ابوبکرؓ اجازت لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اجازت طلب کی۔ انہیں بھی اجازت مل گئی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ آپؐ کے ارد گرد ازواج مطہرات جمع ہیں اور آپؐ غم و غصہ کی حالت میں خاموش بیٹھے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دل میں سوچا کہ میں کوئی ایسی بات کہوں جس سے آپؐ تبسم فرمائیں۔ چنانچہ میں نے کہا "یا رسول اللہ، اگر خارجہ کی بیٹی (اپنی بیوی) کو دیکھوں کہ وہ مجھ سے نفقہ مانگتی ہے تو میں اٹھ کر اس کی گردن پر دھول ماروں۔" اس پر آپؐ کو ہنسی آگئی اور فرمایا کہ "یہ سب جمع ہوکر مجھ سے نفقہ کا مطالبہ کررہی ہیں۔" اس پر حضرت ابوبکرؓ نے اٹھ کر اپنی بیٹی عائشہؓ کو ڈانٹا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنی صاحبزادی حفصہؓ کو ڈانٹ پلائی۔ ان دونوں نے اپنی بیٹیوں سے کہا "کیا تم حضورؐ سے اس چیز کا مطالبہ کرتی ہو جو آپؐ کے پاس نہیں؟"

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اصلاحی کوششیں

علامہ ابن سعد نے اپنی طبقات میں اسی واقعے کے متعلق حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی ایک طویل اور مفصل روایت نقل کی ہے جس میں وہ بتاتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی بیٹی عائشہؓ سے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ حضورؐ اپنی بیویوں سے کوئی چیز چھپا کر نہیں رکھتے۔ اس لئے خبردار، آپؐ سے کوئی ایسی چیز نہ مانگنا جو آپؐ کے پاس نہ ہو۔ اپنی ضرورت کی چیزیں مجھ سے مانگ لیا کرو۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے بھی اپنی بیٹی حفصہؓ سے یہی بات کہی۔ اس کے بعد یہ دونوں اصحاب تمام امہات المومنین کو سمجھاتے ہوئے آخر میں ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کے پاس پہنچے اور ان سے اسی طرح کی باتیں کیں۔ اس پر سیدہ ام سلمہؓ جواب دیتی ہیں "تم کون ہو جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کو سمجھانے اور حکم دینے کے لئے موجود ہیں۔ اگر ہم اپنی ضروریات کے لئے آپؐ سے مطالبہ نہ کریں تو کس سے کریں؟ کیا تمہارے اور تمہاری بیویوں کے معاملات میں کوئی دخل دے سکتا ہے؟" اس کے بعد یہ دونوں حضرات واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد امہات المومنین نے سیدہ ام سلمہؓ سے کہا "تم نے جو کام کیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ ہم تو انہیں کچھ جواب نہ دے سکیں۔"

دو پارٹیاں

ام المومنین سیدہ عائشہؓ خود بیان کرتی ہیں کہ "ہم (ازواج مطہرات) میں دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ ایک میں خود میں، سودہؓ حفصہؓ اور صفیہؓ تھیں۔ اور دوسری پارٹی میں زینبؓ بنت جحش، ام سلمہؓ اور دوسری ازواج شامل تھیں۔" (عمدۃ القاری)

پریشان کن طرز عمل

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے آپس کے رشک و رقابت میں مل جل کر آپؐ کو تنگ کردیا تھا۔" (بخاری)

مندرجہ بالا روایات سے یہ تو صاف مترشح ہے کہ اس دور میں ازواج النبیؐ کے باہمی رشک و رقابت اور غیرت و منافست کی کیفیت اور ان کی طرف سے نفقے میں توسیع کے مطالبے کی شدت نے ایسی صورت حال پیدا کردی تھی کہ جو اللہ کے رسولؐ کے لئے سخت پریشانی اور تکدر کا موجب بنی ہوئی تھی۔ یہ تو تھے گھر کے اندرونی حالات' لیکن جو بات حضورؐ کو اور آپؐ کے مخلصین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو نہایت بے چین کئے ہوئی تھی وہ مدینے کے منافقین کا معاملہ تھا۔

گھر سے باہر کا ماحول

علامہ شبلی کی تحقیق کے مطابق اس وقت مدینے میں شرپسند منافقوں کی تعداد تقریباً" چار سو تھی۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ ان میں کچھ خواتین ایسی بھی تھیں جن کا ازواج مطہرات کے پاس آنا جانا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب "اصابہ" میں "ام جلدح" بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ اپنی باتوں سے ازواج مطہرات کو آپس میں بھڑکانے کی کوشش کیا کرتی تھی اور باقی بدطینت اور شریرالنفس منافق ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ کسی حیلے اور کسی تدبیر سے حضورؐ کے خاندان والوں اور آپؐ کے قابل اعتماد ساتھیوں میں پھوٹ ڈال دیں۔ وہ اپنے مذموم

مقاصد میں کامیابی کی ایک جھلک واقعہ افک میں دیکھ چکے تھے جس نے حضورؐ کو' آپؐ کے خاندان کو اور آپؐ کے جان نثار محبین کو ایک جان سوز کرب میں مبتلا کردیا تھا۔

اگر سیدہ عائشہؓ کی براءت میں قرآنی آیات نازل نہ ہوتیں تو نوزائیدہ اسلامی معاشرہ شدید خانہ جنگی کے خطرے کی لپیٹ میں آجاتا۔

اسی طرح اب منافقوں کو ازواج مطہرات کی کبیدگی خاطر' باہمی رشک و رقابت اور نفقے کے مطالبے میں مظاہرہ کا حال معلوم ہوا ہوگا تو انہوں نے ایک طرف انہیں آپس میں بھڑکاتے اور دوسری طرف سیدہ عائشہؓ اور سیدہ حفصہؓ کے والدین کو ایک دوسرے سے الجھانے اور ان دونوں بزرگوں کو ان کے ہادی و مرشد سے بدظن کرنے کی مہمات کا آغاز کردیا ہوگا اور اندیشہ پیدا ہوچلا ہوگا کہ اگر حالات اسی نہج پر چلتے رہے تو منصب رسالت کے اہم اور مقدس فرائض کی ادائیگی کی راہ میں بے شمار مشکلات کھڑی ہوجائیں گی' چنانچہ خدا کے برگزیدہ رسولؐ نے مصلح اعظم کی حیثیت سے ایک ایسے حکیمانہ اقدام کا فیصلہ کیا جس کے نتیجے میں ماحول میں پیدا ہونے والے تمام دھندلکے غائب ہوگئے۔

حکیمانہ اقدام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد کرلیا کہ ایک ماہ تک آپؐ ازواج مطہرات سے ملیں گے نہ ان سے کسی قسم کا تعلق رکھیں گے۔ آپؐ ایک بالاخانے میں تنہا نشین ہوگئے۔ روایات میں بالاخانے کو "مشربہ" کہا گیا ہے۔ یہ مشربہ سیدہ عائشہؓ کے حجرے کا بالاخانہ تھا جو مسجد نبوی سے متصل ازواج کے حجروں کے برابر تھا اور ذخیرہ گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ جتنے

عرصے آپؐ اس میں تشریف فرما رہے آپؐ کا حبشی غلام "رباح" بطور دربان آستانے پر بیٹھا رہا۔ آپؐ کھجور کے ایک تنے کے سہارے اس بالاخانے میں آتے جاتے تھے۔ اتفاق کی بات کہ انہی دنوں آپؐ اپنی سواری سے گر گئے جس کی وجہ سے آپؐ کی پنڈلی زخمی ہو گئی تھی۔ اور اسی چوٹ کی وجہ سے آپؐ کو بالاخانے سے اترنے اور چڑھنے میں خاصی تکلیف ہوتی تھی۔

اس اقدام کے اثرات

آپؐ کے اس فیصلے اور آپؐ کے اس اقدام کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی۔ اہل ایمان کو اپنے محبوب و محترم ہادیؐ کی اس تکلیف اور اس پریشانی نے تڑپا کر رکھ دیا۔ وہ اس بات سے بے چین ہو گئے کہ وہ مقدس اور بابرکت گھر جو ان کے لئے باعث خیرو رحمت اور موجب فوز و فلاح تھا' اب اس کے مکین پریشان بھی ہیں اور آزردہ بھی بے چین بھی ہیں اور مضطرب بھی۔ یہ خبر عام طور پر مشہور ہو گئی کہ حضورؐ نے اپنی تمام بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ یہ خبر عام مسلمانوں اور ازواج نبیؐ کے قلب و ذہن پر کس طرح بجلی بن کر گری اور کس طرح سب کی شخصیتوں کو ہلا کر رکھ دیا اس کا اندازہ حضرت عمرؓ کے اس بیان سے ہو سکتا ہے جسے تمام محدثین نے جزوی اختلافات کے ساتھ اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور جس میں وہ فرماتے ہیں:

"عتبانؓ بن مالک انصاری میرے پڑوسی تھے۔ ایک دن وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ایک دن میں۔ شام کو دن کی تمام کارروائی ایک دوسرے کو بتا دیا کرتے تھے۔

ایک دن خاصی رات گئے میرے انصاری پڑوسی باہر سے آئے۔ انہوں نے بے قراری کی حالت میں زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں گھبرا کر

اٹھا اور دروازہ کھول کر پوچھا "خیر ہے؟" انہوں نے کہا "غضب ہوگیا۔" میں نے کہا "کیا غسانی مدینے پر چڑھ آئے ہیں؟" انہوں نے کہا "نہیں، اس سے بھی بڑھ کر۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔"

میں اگلی صبح مدینے گیا اور فجر کی نماز حضورؐ کی امامت میں ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوکر آپؐ تو بالاخانے میں جاکر تنہا بیٹھ گئے۔ میں حفصہؓ کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھی۔ میں نے کہا "کیا میں نے تجھے پہلے نہیں سمجھایا تھا؟" حفصہؓ کے پاس سے مسجد نبوی میں گیا۔ دیکھا کہ صحابہؓ منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔"

حضورؐ نے اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کے لئے جو مقاطعہ کیا تھا۔ اس واقعہ کو اسلامی لٹریچر میں واقعہ ایلاء کہا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ بیان اس واقعے کے پہلے اور دوسرے دن کی روداد بیان کرتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اہل ایمان اس موقع پر غم و اندوہ کی تصویر بنے ہوئے تھے اور ازواج مطہراتؓ کا بھڑکا ہوا جذبہ رشک و منافست' ندامت و پشیمانی کے جذبہ دلگداز میں تبدیل ہوچکا تھا۔ ہر زوجہ مطہرہؓ افسوس و حسرت کا پیکر بنی ہوئی تھی کہ اس نے اپنے منافسانہ طرز عمل سے اپنے رحیم و کریم' شفیق و مہربان اور ہمدرد و غمگسار شوہر کو ناراض کردیا۔ وہی سیدہ حفصہؓ جو بقول حضرت عمرؓ "مظاہرہ" کا ایک ستون اعظم تھیں' بلک بلک کر رو رہی تھیں۔ اسی طرح سیدہ ام سلمہؓ جنہوں نے اس "مظاہرے" کے موقع پر تمام ازواج مطہرات کے جذبات کی ترجمانی پوری جرات و بے باکی سے کی تھی' اس واقعہ ایلاء پر زار و قطار رو رہی تھیں۔ علامہ ابن سعد نے ان کا بیان نقل کیا ہے جس

میں وہ فرماتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے علیحدہ ہو کر بالاخانے میں گوشہ نشین ہوگئے۔ میں رونے لگی۔ میرے پاس آنے والے پوچھتے تھے کیا آپ کو حضورؐ نے طلاق دے دی؟ میں کہتی تھی "اللہ کی قسم! مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

حضرت عمرؓ کا اخلاص

شرپسند منافقین جو کاشانہ نبوت میں رونما ہونے والی اس وقتی ناہمواری کی بنا پر سیدہ عائشہؓ اور سیدہ حفصہؓ کے والدین کو اپنی مذموم سازشوں میں ملوث کر کے اسلامی نظام اور اسلامی معاشرے کو سبوتاژ کرنے کے منصوبے تیار کر رہے تھے' فاروق اعظمؓ نے اللہ کے رسولؐ کے ساتھ اپنی جان سپارانہ وفا کا اعلان کر کے ان کے چہروں پر ذلت و نامرادی کی سیاہی مل دی' چنانچہ وہ اپنے اسی بیان میں آگے چل کر فرماتے ہیں:

"میں مسجد سے اٹھ کر بالاخانے کے پاس آیا اور خادم خاص سے کہا کہ وہ میرے لئے حضورؐ سے اجازت طلب کرے' لیکن آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں مسجد میں چلا گیا۔ وہاں قرار نہ آیا پھر بالاخانے کے قریب آیا اور بلند آواز میں کہا" رباح! میرے لئے اذن مانگ' شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہے کہ میں حفصہؓ کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر آپؐ فرمائیں تو حفصہ کی گردن اڑادوں۔" حضورؐ نے اجازت مرحمت فرمادی۔

حضورؐ کے رہن سہن کا معیار

جس دور اور جس واقعے کا ذکر ہو رہا ہے اس کا تعلق ۹ ھ کے ابتدائی دور سے تھا۔ اس وقت پورا عرب اسلامی حکومت کی سیاسی اور عسکری قوت کی برتری تسلیم کر چکا تھا۔ عرب کے کونے کونے سے قبائل کے نمائندہ وفود مدینے آکر اپنی وفاداری اور اطاعت کا برملا اظہار کر رہے تھے۔ پورے ملک میں اسلام کی مخالف قوتیں سپر انداز ہو چکی تھیں۔ حضورؐ اسلام کی اس اجتماعی قوت و حشمت کے سربراہ تھے۔ اس جلالت و شوکت کے باوجود آپؐ کے رہن سہن کا معیار کیا تھا' اس کی ایک جھلک حضرت عمرؓ کی روایت ہی سے آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس روایت میں حضرت عمرؓ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے بتاتے ہیں:

"اجازت ملنے پر جب میں بالاخانے میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ حضورؐ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپؐ کے جسم مبارک اور چٹائی کے درمیان کوئی بچھونا نہ تھا اور سر مبارک کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپؐ کے پاؤں کے پاس سلم کے پتوں کا ڈھیر تھا (یہ پتے چمڑے کی دباغت کے کام آتے ہیں) اور سرہانے کی طرف کچے چمڑے لٹکے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ کے پہلو پر چٹائی کے نشانات پڑ گئے تھے۔ اس پر میں رو پڑا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا "تم رو کیوں رہے ہو؟" میں نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ! قیصر و کسریٰ تو کیسی عشرت میں ہیں اور آپؐ اللہ کے رسولؐ ہو کر اس حالت میں۔" آپؐ نے فرمایا "کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ ان کے لئے صرف دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت۔"

اس کے بعد حضرت عمرؓ اپنی ان کوششوں کا ذکر کرتے ہیں جس کے ذریعہ وہ حضورؐ کا تکدر اور طبیعت کی کبیدگی کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب آپؐ حضرت عمرؓ سے بشاشت کے ساتھ بات چیت شروع کردیتے ہیں تو وہ آپؐ سے دریافت کرتے ہیں:۔

"یارسول اللہ! کیا آپؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟؟"

آپؐ نے فرمایا "نہیں۔"

اس پر حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے نعرہ تکبیر لگایا۔ اس نعرہ کی گونج سے مسجد میں موجود مسلمانوں کو اور گھروں میں موجود ازواج مطہرات کو علم ہوگیا کہ یہ خبر غلط ہے کہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔

واقعہ ایلاء کے اثرات ازواج نبیؐ پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی بیویوں سے ایک ماہ کے لئے مقاطعے اور سورہ تحریم کی ان آیتوں کے نزول کا مقصد یہی تھا کہ ازواج مطہرات کے ذہنوں اور ان کے دلوں میں اس مقام اور اس مرتبے کی ذمہ داریوں کا احساس پوری شدت سے تازہ کردیا جائے جو انہیں اللہ کے آخری نبیؐ کی رفیق زندگی ہونے کی حیثیت سے حاصل ہوا تھا۔ وہ اپنے آپ کو دنیا کی عام عورتوں کی طرح اور اپنے گھروں کو معاشرے کے دوسرے گھروں کی طرح نہ سمجھ بیٹھیں۔ سورہ تحریم کی پانچویں آیت کا پہلا فقرہ ان کے دلوں کو لرزا دینے اور ان کی شخصیتوں کو جھنجھوڑ دینے کے لئے کافی تھا۔

اس اشارے سے بڑھ کر ان کے لئے اور کیا تنبیہہ ہوسکتی تھی کہ اگر اللہ کا نبیؐ ان کو طلاق دے دے تو بعید نہیں کہ اللہ اپنے نبیؐ کو ان کی جگہ ان سے بہتر بیویاں عنایت فرمادے۔ اول تو حضور سے طلاق مل جانے کا تصور ہی ان کے لئے ناقابل برداشت تھا' اس سے بڑھ کر یہ کہ ان سے امہات المومنین ہونے کا شرف چھن جائے گا اور دوسری عورتیں جو اللہ تعالیٰ

آپؐ کی زوجیت میں دے گا وہ ان سے بہتر ہوں گی۔

اس تنبیہہ کے بعد تو یہ بات قطعاً ناممکن تھی کہ ازواج مطہرات سے پھر کبھی کوئی ایسی حرکت سرزد ہوتی یا کسی ایسے طرز عمل کا اظہار ہوتا جس پر خدائے عزوجل کی طرف سے گرفت اور تنبیہہ کی نوبت آتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں یہی وہ واحد مقام ہے جہاں ان بلند کردار' عالی حوصلہ اور پیکراخلاص و وفا خواتین کو تنبیہہ فرمائی گئی ہے۔ اور یہ اس امر کا بین اور ناقابل تردید ثبوت ہے کہ ان عالی مرتبت خواتین نے اپنے رویے اور اپنے طرز عمل کی مستقل بنیاد پر اس انداز میں اصلاح فرمائی کہ وہ نگاہ خداوندی میں اس کے نبیؐ کی دائمی اور ابدی رفاقت و زوجیت کی مستحق قرار پائیں۔

مقاطعے کا خاتمہ

حضورؐ کے خادم خاص حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ جب واقعہ ایلاء کا ۲۹ واں دن ہوا تو حضرت جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "یارسول اللہ! آپؐ کی قسم پوری ہوگئی ہے۔ اور مہینہ مکمل ہوگیا ہے اب آپؐ مقاطعہ ختم فرمادیں۔" (بخاری)

مقاطعے کے خاتمے اور اس کے بعد کی روداد حضرت عمرؓ اپنی اسی طویل اور مفصل روایت میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

"جب ۲۹ راتیں گزر گئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے پاس تشریف لائے۔ سیدہؓ نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ! آپؐ نے تو قسم کھائی تھی کہ آپؐ ایک ماہ تک ہمارے ہاں تشریف نہ لائیں گے اور اب آپؐ ۲۹ ویں رات ہی تشریف لے آئے؟ میں

تو ایک ایک دن گنتی رہی۔" آپؐ نے فرمایا "مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔" (اور وہ مہینہ ۲۹ دن کا ہی تھا)"

- ام المومنین سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

"پھر اللہ تعالیٰ نے آیت **تخییر** نازل فرمائی۔ اس موقع پر آپؐ نے اپنی تمام ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے مجھ سے ہی استفسار فرمایا تھا اور میں نے آپؐ کو اختیار کرلیا تھا۔ پھر آپؐ نے اپنی تمام ازواج مطہرات کو اختیار دیا اور سب نے وہی جواب دیا جو میں نے دیا تھا۔" (بخاری، مسلم)

۵۔ امتحان میں کامیابی

اس سے پہلے حضرت عمرؓ کی روایت کے حوالے سے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کا وہ بیان نقل کیا جاچکا ہے جس کے مطابق جب حضورؐ بالاخانے سے تشریف لائے تو آیت تخییر نازل ہوئی۔ اس آیت میں ازواج مطہرات کو ایک خاص اختیار دیا گیا تھا اس لئے یہ آیت تخییر کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"اے نبیؐ! اپنی بیویوں سے کہو۔ اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ' میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کردوں۔ اگر تم اللہ' اس کے رسولؐ اور دار آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے"

(سورہ احزاب آیت ۲۸' ۲۹)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ نے سب سے پہلے سیدہ عائشہؓ سے فرمایا۔ "میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ جواب دینے میں جلدی نہ کرنا۔ اپنے ماں باپ کی رائے لے لو پھر فیصلہ کرنا۔" اس کے بعد آپؐ نے انہیں خدا کا یہ حکم سنایا جو اس آیت میں نازل ہوا تھا۔ یہ حکم سن کر سیدہ عائشہؓ نے عرض کیا "کیا اس معاملے میں اپنے ماں باپ سے پوچھوں؟ میں تو اللہ' اس کے رسولؐ اور دار آخرت کو چاہتی ہوں۔" اس کے بعد حضورؐ باقی ازواج مطہرات میں سے ایک ایک کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک سے یہی بات فرمائی اور ہر ایک نے وہی جواب دیا جو ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے

دیا تھا۔ (مسلم، نسائی، مسند احمد، طبقات ابن سعد)

بعض مفسرین نے اس آیت تخییر کا زمانہ نزول ۵ ھ قرار دیا ہے۔ اس وقت حرم نبوی میں صرف چار ازواج مطہرات تھیں۔ یعنی سیدہ سودہؓ، سیدہ عائشہؓ، سیدہ حفصہؓ اور سیدہ ام سلمہؓ لیکن علامہ شبلی نے اپنی عالمانہ تحقیق کے بعد اس کا زمانہ نزول واقعہ ایلاء سے متصل متعین کیا ہے۔

ہمارے نزدیک علامہ شبلی کی رائے درج ذیل وجوہ کی بنا پر قرین صواب اور لائق ترجیح ہے۔

۱۔ حضرت عمرؓ کی وہ روایت جسے واقعہ ایلاء کے متعلق تمام محدثین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اس میں سیدہ عائشہؓ کا بیان واضح طور پر موجود ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ آیت تخییر اس وقت نازل ہوئی جب حضورؐ اپنی ازواج سے مقاطعہ ختم کرکے بالاخانے سے تشریف لے آئے تھے۔

۲۔ اگر اس آیت کا زمانہ نزول ۵ ھ مان لیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ یہ امتحان صرف چار ازواج مطہرات کا ہوا تھا اور یہ اختیار بھی صرف ان چار کو ہی ملا تھا، لیکن قرآن کا اسلوب یہ ظاہر کررہا ہے کہ اس امتحان میں کامیابی کا شرف تمام ازواج مطہرات نے حاصل کیا اور وہ سب کی سب اس کامیابی اور سرخروئی پر خصوصی اعزازات کی مستحق قرار پائیں جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

۳۔ ۵ ھ تک حالات ہی ایسے تھے کہ ازواج مطہرات کی طرف سے توسیع نفقہ کا مطالبہ کسی طور بھی مناسب اور معقول معلوم نہیں ہوتا۔ یہ دور سخت آزمائش کا تھا۔ حضورؐ کا کوئی ذریعہ معاش بھی نہ تھا۔ یہ ہوشمند خواتین

اس صورت حال سے بخوبی واقف تھیں۔ انہوں نے عسرت اور تنگی کا یہ دور پورے صبر سے گزار کر اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ غیر متزلزل وفاشعاری کا ثبوت دیا۔ ہاں، اگر یہ واقعہ ۹ ھ کا تسلیم کیاجائے تو ازواج مطہرات کے اس مطالبے اور مظاہرے میں موزونیت کا عنصر نظر آتا ہے۔ وہ یہ کہ اس وقت فتوحات کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا تھا اور مال غنیمت کثرت سے مدینے آرہا تھا۔ دوسری طرف اب اس حرم مقدس میں سیدہ ام حبیبہؓ سیدہ جویریہؓ اور سیدہ صفیہؓ جیسی خواتین بھی رونق افروز ہوگئی تھیں جو نامور سرداروں اور رئیسوں کی صاحبزادیاں تھیں اور وہ سمجھتی تھیں کہ حضورؐ بڑی آسانی سے ان کے توسیع نفقہ کے مطالبے کو شرف قبولیت بخش سکتے ہیں۔

مندرجہ بالا دلائل کی بنا پر ہماری رائے یہی ہے کہ آیت تخییر واقعہ ایلاء کے موقع پر نازل ہوئی اور اس طرح تمام ازواج مطہرات نے اس آزمائش اور اس امتحان میں سرخروئی حاصل کی اور اپنی بلند ہمتی، عالی حوصلگی اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اپنی والہانہ وابستگی کا ثبوت دے کر ثابت کردیا کہ وہ نوع انسانی کے طبقہ اناث میں سب سے افضل اور سب سے معزز ہیں۔

۶۔ دائمی رفاقت کا شرف

ازواج مطہرات نے خدا کے عطا کردہ اختیار کو استعمال کرتے ہوئے جب دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے کا فیصلہ کردیا تو ان کا یہ مخلصانہ اقدام بارگاہ رب العزت میں اتنا پسندیدہ اور قابل قدر قرار پایا کہ اس نے انہیں اپنے محبوب و ممتاز رسولؐ کی ابدی زوجیت و رفاقت کے لازوال شرف سے بہرہ ور فرمانے کا اعلان کردیا اور اپنے نبیؐ کو ہدایت کی:

"اے نبیؐ! اس کے بعد دوسری عورتیں تمہارے لئے حلال نہیں ہیں اور نہ اس کی اجازت ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں لے آؤ۔ خواہ ان کا حسن تمہیں کتنا ہی پسند ہو۔" (سورہ احزاب ۵۲)

اسی خدائی ہدایت کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد نہ تو کوئی اور شادی کی اور نہ ہی اپنی کسی زوجہ مطہرہ کو طلاق دے کر اپنے سے جدا فرمایا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ یہ وفاشعار خواتین ہی انسانی معاشرے کی بہترین خواتین تھیں۔ یہ سچی مسلمان بھی تھیں اور باایمان بھی، اطاعت گزار بھی تھیں اور عبادت گزار بھی، توبہ گزار بھی تھیں اور روزہ دار بھی۔

۷۔ ازواج مطہرات کے گھروں کی قدر و منزلت

بارگاہ خداوندی میں ازواج مطہرات کی قدر و منزلت کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے گھروں کو اپنے نبیؐ کے گھر اور نبیؐ کے گھروں کو ان کے گھر قرار دیا ہے۔ یہ اسی صورت ممکن ہوا کہ خدائے علیم و خبیر کے نزدیک نبیؐ اور ان کی ازواج کے مابین کامل ہم آہنگی' یک رنگی اور یک جہتی موجود تھی۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھروں کے سربراہ تھے تو یہ ازواج مطہرات آپ کے گھر کی ملکائیں تھیں۔

ان مقدس اور بابرکت گھروں کی اہمیت اس امر سے بھی ہویدا ہے کہ ان کی نسبت سے قرآن مجید میں ایک سورہ' "سورہ الحجرات" کے نام سے موجود ہے اور اس میں ان گھروں کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

"اے نبیؐ" جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ اگر وہ تمہارے برآمد ہونے تک صبر کرتے تو انہی کے لئے بہتر ہوتا۔" (سورہ الحجرات آیت ۵)

یہی وہ بابرکت حجرے ہیں جنہیں خداوند تعالیٰ کی طرف سے وہ شان ملی اور انہیں اس وقار و احترام سے نوازا گیا جس کی نظیر رہتی دنیا تک نہیں ملے گی۔ ان میں وحی کے ذریعے تعلیمات الٰہی نازل ہوتی تھیں اور ان کی ملکائیں انہیں یاد کرنے اور بیان کرنے پر مامور تھیں۔ اس طرح یہ حجرے اور یہ گھر انوار و تجلیات الٰہی کے مراکز اور نورانی تعلیمات کے مدارس بن گئے۔

ان کی اس حیثیت کا ذکر قرآن مجید اس طرح کرتا ہے:

"نبی کی بیویو! یاد رکھو اور بیان کرو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں۔ بے شک اللہ لطیف اور باخبر ہے۔" (سورہ احزاب آیت ۳۴)

حجروں کی ظاہری حالت

ازواج مطہرات کے وہ حجرے جنہیں انقلاب آفرین اور تاریخ ساز تحریک کے مراکز اور علم و حکمت کے مخازن کی حیثیت حاصل تھی اور جنہوں نے اس انسانیت نواز جدوجہد میں تعلیمی درسگاہوں اور تزکیہ نفوس کی تربیت گاہوں کا مثالی کردار ادا کیا ان کی ظاہری شکل و صورت اور ان کی مادی حیثیت کیا تھی، اس کی وضاحت کے لئے ہم شاہ مصباح الدین کی تحقیقات کا کچھ حصہ ان کی مایہ ناز کتاب سیرت احمد مجتبٰے سے پیش کرتے ہیں:

مسجد کی تعمیر سے فراغت پائی تو آپؐ نے اس سے متصل دو حجروں کی بنیاد ڈالی۔ ان میں سے ایک حضرت سودہؓ کے لئے اور دوسرا حضرت عائشہؓ کے لئے تھا۔ یہ دونوں حجرے کچی اینٹوں کے تھے۔ ان کی چھتیں کھجور کے پتوں کی تھیں۔ چھ سات ہاتھ چوڑے اور دس ہاتھ لانبے تھے۔ ان کی اونچائی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت ہاتھ سے چھو سکتا تھا۔ دروازوں پر کواڑ کی بجائے سیاہ بالوں کے کمبل کے پردے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے گھر میں ایک پٹ کا دروازہ تھا جو کبھی بند نہ ہوا۔ اس کے ساتھ بالاخانہ تھا جس کو "مشربہ" کہا جاتا تھا۔ ایلاء کے ایام میں حضورؐ نے یہاں ایک مہینہ علیحدگی میں بسر فرمایا تھا۔ ان کے حجروں میں راتوں کو چراغ تک نہ جلتے تھے۔

مسجد سے متصل ہی حضرت حارثہؓ بن نعمان کے مکانات تھے۔ جب حضورؐ کسی خاتون کو شرف زوجیت بخشتے تو وہ اپنا مکان خالی کر دیتے۔ اس طرح

یکے بعد دیگرے تمام مکانات آپؐ کی نذر کردیئے۔ ان میں چار مکان کچی اینٹ کے تھے جن کے اندرونی حجرے ٹٹیوں کے بنے ہوئے تھے۔ پانچ مکان گارے اور کھجور کی شاخوں کے تھے جن میں حجرے نہ تھے۔ سارے گھر مسجد سے متصل تھے۔ حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ اور حضرت زینبؓ کے مکانات شام کی سمت تھے۔ حضرت سودہؓ اور حضرت حفصہؓ کے گھر مشرقی جانب تھے۔"

۸۔ مومنوں کی مائیں ہونے کا بے مثل اعزاز

ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم اور سب سے عظیم اعزاز و اکرام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اہل ایمان کی مائیں ہونے کا لاثانی شرف بخشا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اعلان خداوندی ہے:

"پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔" (سورہ احزاب آیت ۶)

مذکورہ بالا آیت میں ازواج مطہرات کو نوع انسانی یا امت کی مائیں نہیں بتایا گیا بلکہ یہ رشتہ اور یہ تعلق صرف اور صرف اہل ایمان کے ساتھ قائم کیا گیا ہے۔ جس طرح ایمان کے کمال کا انحصار اس امر پر ہے کہ ایک مومن کے نزدیک اللہ کے نبیؐ کی ذات اس کی اپنی ذات سے زیادہ محبوب اور عزیز ہو' اسی طرح ایمان کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ازواج مطہرات کا احترام اور وقار دل میں اپنی حقیقی ماں سے بھی زیادہ ہو۔

ان کے اسی احترام اور وقار کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہدایت کی ہے:

"تمہارے لئے ہرگز یہ جائز نہیں کہ اللہ کے رسولؐ کو تکلیف دو اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔" (سورہ احزاب آیت ۵۳)

یہ آیت واضح طور پر اشارہ کر رہی ہے کہ امہات المومنین کی جناب میں بے ادبی اور گستاخی اللہ کے رسولؐ کو اذیت پہنچانے کے مترادف ہے جو

قہر خداوندی کو بھڑکانے کا موجب ہے۔

علامہ ابن سعد نے اپنی طبقات میں حضرت مسروق کے حوالے سے ایک دلچسپ روایت درج کی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کو "اماں جان" کہہ کر مخاطب کیا۔ اس پر سیدہ نے فرمایا "میں تم عورتوں کی ماں نہیں ہوں میں تو صرف مومن مردوں کی ماں ہوں کیونکہ قرآن مجید نے ہمیں ان مردوں کی ماں قرار دیا ہے جو اہل ایمان ہیں۔ قران میں "ھم" کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔ جو مردوں کے لئے ہوتی ہے۔"

اس کے برخلاف ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ نے کہا" میں مومن مردوں اور عورتوں سب کی ماں ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب مردوں کو مخاطب کیا ہے تو عورتیں اس میں خود بخود شامل ہوگئیں اور قرآن کا اسلوب بیان یہی ہے۔"

نوٹ۔ اس روایت سے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کا جو مسلک ظاہر ہوتا ہے وہ ان کا کوئی مستقل موقف اور مسلک نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ بات خدمت میں حاضر ہونے والی عورت کے کسی قابل اعتراض رویے پر تنبیہہ کے انداز میں کہی ہوگی۔

۹۔ عورتوں کے حقوق کی حفاظت

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی شادیوں کی توثیق و تصدیق کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ "اے نبیؐ" ہم نے تمہارے لئے حلال کردیں تمہاری وہ بیویاں جن کے مہر تم نے ادا کئے ہیں۔" (سورہ احزاب آیت ۵۰)

اس آیت میں حضورؐ کی شادیوں کی تصدیق مہر کی ادائیگی کی بنا پر کی گئی ہے۔ اس سے اس امر کی وضاحت بھی ہوگئی ہے کہ مہر کی رقم بیوی کا قانونی حق ہے۔ اس میں اس کا باپ' اس کا شوہر یا کوئی اور رشتے دار شریک نہیں ہوسکتا۔ اس طرح ازواج مطہرات عورتوں کے حقوق کی ضامن قرار پائیں۔

مہر کی رقم

قرآن و سنت کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام نے مہر کی رقم کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ یہ معاملہ فریقین کی رضامندی پر چھوڑ دیا گیا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کا جو مہر مقرر کیا اس کی تفصیل درج ذیل روایات سے مل جاتی ہے:

۱۔ حضرت ابو سلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے دریافت کیا کہ حضورؐ نے کتنا مہر ادا کیا تھا۔ ام المومنین نے جواب میں فرمایا ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی یعنی پانچ سو درہم۔ (مسلم)

۲۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح کئے اور اپنی بیٹیوں کے بھی' لیکن آپؐ نے کسی نکاح کے موقع پر بھی بارہ اوقیہ چاندی یعنی ۴۸۰ درہم سے زیادہ مہر مقرر نہیں فرمایا۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

۳۔ ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ بیان کرتی ہیں "شاہ حبشہ نجاشی نے میرا نکاح حضورؐ سے کیا اور اس نے چار ہزار درہم بطور مہر میرے پاس بھجوائے۔" (ابوداؤد، نسائی)

۴۔ امام زہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر دس اوقیہ چاندی یعنی چار سو درہم ہوتا تھا۔ (طبقات ابن سعد)

۱۰۔ پاکیزگی کردار کی تصدیق

یہ تو بیان ہوچکا ہے کہ منافقوں کا گروہ ہر وقت اس کوشش میں رہتا تھا کہ خدا کے رسولؐ کی گھروالیوں کے متعلق ایسی خبریں عام ہوں جن سے اس تقدس مآب گھر کی اخلاقی رفعت و جلالت پر حرف آئے۔ اس مقصد کے لئے انہیں افواہ سازی اور بہتان طرازی جیسی حرکات قبیحہ سے بھی دریغ نہ تھا۔ واقعہ افک کے موقع پر ان کا یہ گھناؤنا کردار کھل کر سامنے آگیا تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنے اس قابل مذمت طرز عمل پر قائم رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبیؐ کی بیویوں کے کردار اور ان کی سیرت کو جانچنے اور پرکھنے کا ایک ایسا معیار مہیا کردیا جس کی موزونیت سے انکار کی صرف وہی شخص جرات کرسکتا ہے جو عقل و دانش اور فہم و شعور سے کلی طور پر محروم ہوگیا ہو۔ وہ معیار اور وہ پیمانہ یہ ہے:

"خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے۔ پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ۔ ان کا دامن پاک ہے ان باتوں سے جو بنانے والے بناتے ہیں۔ ان کے لئے مغفرت ہے اور رزق کریم۔" (سورہ نور آیت ۲۶)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کی پاکیزہ سیرت سے ملک کا ہر شخص واقف تھا' یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے مزاج کی نفاست' اپنی طبیعت کی طہارت اور اپنے کردار کی پاکیزگی کے باوجود ایسی عورتوں کے ساتھ الفت و محبت اور شفقت و رافت کے جذبات سے سرشار ہوکر برسوں نباہ کریں جن

کا کردار معاذ اللہ عفت و عصمت اور اخلاق و شرافت اور دیانت و امانت کے پسندیدہ معیار سے کسی صورت بھی فروتر ہو۔ ان پاکباز خواتین کا نبیؐ کی رفاقت اور زوجیت میں ہونا ہی خدا کی نگاہ میں اور ہر صاحب ہوش انسان کی نظر میں اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ وہ اپنی پاکبازی و پاکدامنی' اپنی ہوشمندی و ارجمندی' اپنی تہذیب و شائستگی اور اللہ کے دین کے ساتھ اپنی والہانہ وابستگی کی وجہ سے اخلاق و شرافت کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔

۱۱۔ ازواج مطہرات کے ساتھ حضورؐ کا مثالی حسن سلوک

اہل ایمان مردوں کو خطاب کرتے ہوئے قرآن مجید نے تاکید کی ہے: "اپنی بیویوں کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔"

(سورہ نساء آیت ۱۹)

اس حکم خداوندی کی تشریح کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"تم میں کامل مومن وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہے اور تم میں بہترین شخص وہ ہے جس کا سلوک اپنی بیویوں کے ساتھ سب سے اچھا ہے۔" (ترمذی)

حجۃ الوداع کے موقع پر دنیائے انسانیت کے سامنے انسانی عز و شرف کا جامع چارٹر پیش کرتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"تمہاری بیویوں کا تمہارے اوپر حق ہے کہ ان کی خوراک اور ان کے لباس کے انتظام کے ساتھ ان سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔" (ترمذی)

اس صنف نازک کے ساتھ حضورؐ نے اپنے طرز عمل اور اپنے رویے کی وضاحت اپنے پیروکاروں کے سامنے اس طرح فرمائی:

"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرے اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرتا ہوں۔" (اسوہ رسولؐ)

اس قرآنی ہدایت کی روشنی میں جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ آپؐ نے ان کے فطری اور بنیادی حقوق کی پوری طرح حفاظت کی' ان کی انفرادیت کو تسلیم کیا اور ان کی دلجوئی اور خبرگیری کی پوری پوری کوشش فرمائی۔

انفرادی تشخص کی حفاظت

ہر خاتون کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کی انفرادیت تسلیم کی جائے' اس کی نجی زندگی کا پوری طرح تحفظ ہو اور زندگی کے ایک دائرے میں وہ خودمختار اور آزاد ہو۔ حضورؐ نے اپنی ازواج مطہرات کے ان فطری تقاضوں کا پورا پورا خیال کیا اور ان میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کیا اور ان کی ضروریات کی اشیاء مہیا کیں' گو وہ سامان نہایت مختصر اور سادہ ہوتا تھا۔ مثلاً" روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خوش قسمت خاتون بھی حرم نبوی میں داخل ہوتی تھی اسے کم از کم درج ذیل چیزیں ضرور ملتی تھیں۔

۱۔ رہائش کے لئے مکان۔ (ان مکانوں کی تفصیل پہلے بیان ہوچکی ہے۔)

۲۔ مہر کی رقم جو چار سو سے پانچ سو درہم کے درمیان ہوتی تھی۔

۳۔ دودھ دینے والی اونٹنی یا بکری

۴۔ آٹا پیسنے کے لئے دو چکیاں

۵۔ مشکیزہ پانی کے لئے

۶۔ چرمی تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔

۷۔ غلہ عام طور پر کھجوریں اور جو ہوتے تھے۔

خبرگیری

۷ ھ تک کاشانہ نبوت میں ازواج مطہرات کی تعداد نو ہو گئی تھی۔ آپؐ کا معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد روزانہ تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے ان میں سے ہر ایک کے ہاں تشریف لے جاتے۔ سلام کرنے میں سبقت فرماتے اور ہر ایک سے خیروعافیت دریافت کرتے۔ ان کی ضروریات معلوم کرتے اور انہیں پورا کرنے کی تدابیر فرماتے۔

دلجوئی

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا لطف و کرم تھے۔ آپؐ کے اس لطف و کرم کی بارش گھر والوں پر بھی خوب ہوتی تھی۔ معمول تھا کہ آپؐ جب گھر میں تشریف لاتے تو تبسم کی دلاویز نورانیت آپؐ کے چہرہ اقدس پر نمایاں ہوتی۔ مغرب کے بعد باری والی زوجہ مطہرہ کے ہاں محفل جمتی جس میں تمام ازواج مطہرات شریک ہوتیں ۔ آزادانہ ماحول میں پوری بے تکلفی سے باتیں ہوتیں۔ ان محفلوں کے دل خوش کن اور روح پرور مناظر کی جھلکیاں ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی زبانی سنئے' وہ فرماتی ہیں:

"آپؐ ہم میں اس طرح ہنستے بولتے اور گھل مل جاتے کہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ کوئی اولوالعزم نبیؐ ہیں۔ لیکن جب کوئی دینی بات ہوتی یا نماز کا وقت آجاتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپؐ وہ آدمی ہی نہیں ہیں۔" (اسوہ رسولؐ)

انہی محفلوں میں ازواج مطہرات اُدھر ادھر کے قصے یا گزرے ہوئے واقعات بیان کرتیں تو آپؐ برابر سنتے رہتے اور خود بھی اپنے گذشتہ واقعات و

حالات سناتے۔ حضورؐ کو اپنی بیویوں کی راحت اور انہیں بلاوجہ پریشانی سے بچانے کا اتنا خیال تھا کہ آپؐ اچانک گھر میں تشریف نہ لاتے بلکہ اس طرح قدم رنجہ فرماتے کہ گھروالوں کو پہلے سے آپؐ کی تشریف آوری کا علم ہوجاتا تھا۔ پھر آپؐ سلام کرتے۔ رات کا وقت ہوتا تو سلامتی کی دعا کے یہ الفاظ دھیمی آواز سے ادا فرماتے تاکہ سلام کی آواز سے سونے والی کی نیند اور استراحت میں خلل واقع نہ ہو۔

حضرت اسودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے دریافت کیا کہ حضورؐ گھر میں آکر کون سے کام انجام دیا کرتے تھے۔ سیدہؓ نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاکر مخدوم و ممتاز بن کر نہ رہتے تھے بلکہ گھریلو زندگی میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ گھر کا کام بھی کرلیتے تھے۔ مثلاً" بکری کا دودھ نکال لینا' اپنی نعلین مبارک سی لینا اور اسی قسم کے دوسرے معاملات و مشاغل میں حصہ لینا۔" (مسند احمد)

آپؐ کا یہ طریق کار اسی لئے تھا کہ گھر کا ماحول خوش گوار ہو اور اس کے مکین یعنی ازواج مطہرات ماحول کی اس بشاشت و فرحت سے پوری طرح لطف اندوز ہوں۔ دلجوئی اور بے تکلفی کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

"میں ایک سفر میں حضورؐ کے ساتھ تھی۔ آپؐ نے میرے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا۔ میں آگے نکل گئی' کیونکہ میں دبلی پتلی تھی۔ جب میں کچھ عرصے کے بعد فربہ اندام ہوگئی تو آپؐ نے پھر میرے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا اور آپؐ آگے نکل گئے۔ آپؐ نے فرمایا "میرا یہ آگے بڑھ جانا تمہارے پہلے بڑھ جانے کا بدلہ ہے۔"

خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی بیویوں کی یہ دلجوئی نازبرداری کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوجاتا ہے:

۱۔ ایک دفعہ ازواج مطہرات حضورؐ کے ساتھ شریک سفر تھیں۔ ساربان اونٹوں کو تیز تیز ہانکنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا۔ "دیکھنا یہ آبگینے ہیں۔"

۲۔ خیبر سے واپسی کے سفر میں ام المومنین سیدہ صفیہؓ آپؐ کے پیچھے اونٹ پر سوار تھیں۔ اتفاق سے سواری کا پاؤں پھسل گیا اور سوار زمین پر آرہے۔ حضرت ابو طلحہؓ فوراً آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کی خیریت دریافت کی۔ آپؐ نے فرمایا "پہلے عورت کی خبر لو۔"

(سیرت النبی جلد دوم)

۳۔ ام المومنین سیدہ صفیہؓ کھانا بہت عمدہ پکاتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے کھانا تیار کر کے حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ اس وقت آپؐ سیدہ عائشہؓ کے ہاں تشریف فرما تھے۔ سیدہؓ نے جذبہ رشک کے تحت پیالہ خادم سے لے کر زمین پر دے مارا۔ کھانا دسترخوان پر گرا جو چمڑے کا تھا اس لئے اسے اٹھا لیا گیا۔ آپؐ نے پیالے کے ٹکڑے چن چن کر جمع کئے اور انہیں جوڑا' پھر دوسرا پیالہ منگوا کر سیدہ صفیہؓ کو واپس کیا۔" (نسائی)

۴۔ ایک دفعہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند آواز سے باتیں کررہی تھیں۔ اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ آگئے اور اپنی بیٹی سیدہ عائشہؓ کو پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو حضورؐ سے چلا کر بولتی ہے۔ آپؐ بیچ میں آگئے اور اس طرح سیدہ عائشہؓ کو بچا لیا۔ حضرت ابوبکرؓ غصہ میں بھرے ہوئے تھے باہر چلے گئے۔ آپؐ نے فرمایا "کیوں؟ کس طرح تم کو بچا لیا!" چند

روز کے بعد حضرت ابو بکرؓ حضورؐ کی خدمت میں آئے تو حالت بدل چکی تھی۔ بولے کہ مجھے بھی صلح میں شریک کیجئے جیسا کہ اس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں' اور ہاں۔" (ابوداؤد)

۵۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ ہی بیان کرتی ہیں:

ایک روز میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حریرہ تیار کیا اور آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس وقت سیدہ سودہؓ بھی وہاں موجود تھیں۔ میں نے ان سے کہا کہ تم بھی کھاؤ۔ انہوں نے کسی وجہ سے انکار کیا۔ میں نے کہا" یا تو کھاؤ ورنہ اس حریرے سے میں تمہارا منہ سان دوں گی۔ انہوں نے پھر بھی انکار کیا میں نے حریرے میں ہاتھ بھر کر ان کا منہ سان دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر ہنسے۔ آپؐ نے سیدہ سودہؓ سے کہا"تم بھی اس کا منہ سان دو" آپؐ نے اپنے ہاتھ سے مجھے دبایا تاکہ میں مزاحمت نہ کرسکوں۔ چنانچہ سیدہ سودہؓ نے حریرہ میرے منہ پر لیپ دیا۔ آپؐ پھر ہنسے۔ (اسوہ رسولؐ)

مندرجہ بالا روایات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں ایک جابر' سخت گیر اور تند مزاج انسان کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک رحیم و شفیق' نرم خو' نرم مزاج اور ملنسار انسان کی حیثیت سے وقت گزارتے تھے اور اپنی طبیعت کی ملائمت و ملاطفت اور اپنے مزاج کی شگفتگی و بشاشت سے گھر کے ماحول کو خوش گوار اور پر بہار بنائے رکھتے تھے کیونکہ ایسے سہانے اور دلنواز ماحول میں ہی گھر کے مکینوں کی ذہنی و اخلاقی اور روحانی صلاحیتیں نشوونما پاکر ارتقاء کی بلند منازل طے کرسکتی ہیں اور ایسے ہی روح پرور ماحول میں تعلیم و تربیت کا مشن مفید اور مثبت نتائج ظاہر

کر سکتا ہے۔

اظہار رائے کی آزادی

عرب کے معاشرے میں عورت کو کوئی خاص سماجی مقام حاصل نہ تھا۔ بقول حضرت عمر فاروقؓ ہم قریش کے لوگ عورتوں کو دبا کر رکھنے کے عادی تھے مگر اللہ کے رسولؐ کی بعثت کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ آپؐ انسانیت کے پس ماندہ طبقوں کو ذلت و خواری اور بے بسی و بے کسی کی پستیوں سے اٹھا کر عزت و وقار اور شرف و احترام کی بلندیوں پر فائز کریں اور ان کے وہ فطری اور بنیادی حقوق جو ظالم اور جاہل معاشروں نے سلب کر رکھے تھے انہیں واپس دلائیں۔ اپنی اسی حکمت عملی کے تحت آپؐ نے اپنی بیویوں کو وہ مقام عطا فرمایا جس سے اس وقت کا معاشرہ بالکل نامانوس تھا۔ اس گھر کی یہ ملکائیں ایک عظیم اور بلند نصب العین یعنی انسانی ذہنوں کی تطہیر اور سیرت و کردار کی تعمیر کے کام میں اپنے جلیل القدر رفیق زندگی کی ممد و معاون تھیں، اس لئے ضروری تھا کہ انہیں اپنی رائے کے اظہار اور اپنے دل کی بات بیان کرنے کی پوری آزادی ہو۔ چنانچہ حضورؐ نے یہ آزادی انہیں کامل طور پر عطا فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ روایات میں ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات میں کسی کو دین کے کسی معاملے، قرآنی آیات کی تشریح و توضیح اور آپؐ کے کسی عمل یا فعل کے متعلق دل میں کسی قسم کا شک و شبہ پیدا ہوتا تو فوراً سوال کے ذریعے پوری آزادی سے اس کا اظہار کر دیتی تھیں اور آپؐ پوری ملائمت و بشاشت سے اس کے شبہات کا ازالہ فرما دیتے تھے۔ اگر ازواج مطہرات کو اس حرم محترم میں یہ آزادی حاصل نہ ہوتی تو شاید امت مسلمہ بہت سے معاملات میں یقین و اعتماد کی

روشنی سے محروم رہ جاتی۔

ازواج مطہرات کو اظہار رائے کی یہ آزادی دینی حقائق و معارف معلوم کرنے تک ہی محدود نہ تھی بلکہ عام خانگی زندگی میں اپنے جذبات و احساسات بیان کرنے کی بھی انہیں کامل آزادی حاصل تھی۔ وہ اپنی ضروریات بلا تکلف آپؐ کے سامنے پیش کرتیں اور اپنے مطالبات انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر آپؐ کے سامنے پیش کرنا اپنا حق سمجھتی تھیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے مقبول نبیؐ اور اہل ایمان کے محبوب مطاع و رہنما ہونے کے ساتھ ساتھ ازواج مطہرات کے شوہر اور رفیق زندگی بھی تھے۔ یہ بلند مرتبہ خواتین آپؐ کی ان تمام حیثیتوں اور ان کے نازک تقاضوں سے شعوری طور پر واقف تھیں اور ان کا پوری طرح خیال بھی رکھتی تھیں۔ لیکن زوجیت کا تعلق اور رشتہ صرف انہی کے ساتھ تھا جس میں امت کا کوئی فرد یا کوئی اور گروہ شریک نہ تھا' اس لئے اس رشتے کے لطیف تقاضوں کے پیش نظر ازواج مطہرات کی حضورؐ کے ساتھ بے تکلفی اور اپنے مطالبات پیش کرنے کی خصوصی آزادی میں بھی کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا۔ اس کی کچھ مثالیں پہلے بیان ہو چکی ہیں اور کچھ آئندہ صفحات میں سامنے آئیں گی۔

عدل و مساوات

قرآن مجید انسانی فطرت کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے بیان کرتا ہے:

"بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے لہٰذا قانون الٰہی کا منشا پورا کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو

ادھر لٹکتا چھوڑ دو۔ اگر تم اپنا عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔" ۔(سورہ نساء آیت ۱۲۹)

آپؐ ازواج مطہرات کے حقوق کی ادائیگی میں پوری مساوات ملحوظ رکھتے تھے۔ رہی محبت و رغبت تو آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ یااللہ جس کا مجھے اختیار ہے اس کی تقسیم تو میں نے مساوی طور پر کردی لیکن جو بات میرے بس میں نہیں ہے اس پر مجھے ملامت نہ کیجئے۔ (اختیاری چیز سے مراد معاملات و معاشرت ہے اور غیر اختیاری سے مراد محبت اور میلان طبع)

(ترمذی' ابوداوٗد' ابن ماجہ)

بیویوں کے درمیان معاشرتی عدل و انصاف کی اللہ کے رسولؐ کی نگاہ میں کیا اہمیت تھی' اس کا اندازہ ذیل کی حدیث سے بخوبی ہو سکتا ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے حقوق کی ادائیگی میں انصاف اور مساوات سے کام نہ لے تو وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ گرا ہوا ہوگا۔" (ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کی نہایت روشن اور درخشندہ مثال قائم کی۔ آپؐ نے اپنا معمول بنایا ہوا تھا کہ عصر کے بعد روزانہ ہر ایک بیوی کے ہاں تشریف لے جاتے۔ مغرب کے بعد مشترکہ مجلس جمتی اور رات وہیں گزارتے جہاں کی باری ہوتی۔ اسی طرح خرچ دینے کے معاملے میں بھی آپؐ برابری کے اصول کو قائم رکھتے۔ تمام بیویوں میں سے آپؐ کی قلبی محبت و رغبت سیدہ عائشہؓ کے ساتھ سب سے زیادہ تھی لیکن وقت اور نان و نفقہ کی تقسیم کے سلسلہ میں

ان سے کسی خصوصی رعایت کو آپؐ نے کبھی روا نہ رکھا۔ یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ سیدہ عائشہؓ کے ساتھ آپ کی طبیعت کا یہ میلان ان کے ظاہری حسن و جمال سے نہ تھا بلکہ ان کی قابلیت' ذہانت' قوت اجتہاد' دقت نظراور وسعت معلومات جیسی خوبیوں اور محاسن کی وجہ سے تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے اپنی بیویوں کے درمیان عدل و انصاف اور ازدواجی حقوق میں مساوات اور برابری کو لازمی قرار دیا ہے۔ لیکن اس نے اپنے نبیؐ کو ان کی نبوت و رسالت کی کٹھن' ہمہ گیر اور ہمہ پہلو ذمہ داریوں کے پیش نظر اس ذمے داری سے خصوصی طور پر مستثنیٰ قرار دے دیا ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

"اے نبی' تم کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اپنی بیویوں میں سے جس کو چاہو اپنے سے الگ رکھو' جسے چاہو اپنے ساتھ رکھو اور جسے چاہو الگ رکھنے کے بعد اپنے پاس بلالو۔ اس معاملے میں تم پر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس طرح زیادہ متوقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور وہ رنجیدہ نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی تم ان کو دو گے اس پر وہ سب راضی رہیں گی۔" (سورہ احزاب آیت ۵۱)

خدا کی طرف سے اپنے نبیؐ کے لئے اس خصوصی رعایت کے بعد ازواج مطہرات کا اللہ اور اس کے رسولؐ کو اختیار کرنا ان کی بے لوثی و بے نفسی اور اللہ اور اس کی رسولؐ کے لئے ان کی والہانہ فدائیت اور عاشقانہ فنائیت کا بین ثبوت ہے اور اس اعزاز اور اس شرف میں کوئی اور طبقہ اور گروہ ان کا ہم سر نہیں۔ مالک حقیقی کی طرف سے اس خصوصی رعایت کے باوجود حضورؐ کا کیا طرز عمل رہا' اس کا جواب ام المومنین سیدہ

عائشہؓ کی زبانی سنئے۔ وہ فرماتی ہیں:

"اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی رہا کہ آپؐ ہم میں سے کسی بیوی کی باری کے دن دوسری بیوی کے ہاں جاتے تو اس سے اجازت لے کر جاتے تھے۔ آپؐ باری کے سلسلے میں اتنی پابندی فرماتے کہ کبھی ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے اور ایسا شاذو نادر ہی ہوتا کہ آپؐ ازواج مطہرات کے ہاں روزانہ تشریف نہ لے گئے ہوں۔" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابوبکر جصاص)

سیدہ عائشہؓ کا یہ بیان بھی بخاری نے نقل کیا ہے:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور آپؐ میں چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی تو آپؐ اپنی سب بیویوں سے اجازت لے کر میرے ہاں تشریف لے آئے اور وہیں آپؐ نے وصال فرمایا۔" (مشکوٰۃ)

نان و نفقہ میں مساوات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح میل جول اور وقت کی تقسیم کے معاملے میں اپنی تمام ازواج مطہرات کے ساتھ مساوات اور برابری کا لحاظ رکھا اسی طرح نان و نفقہ کی ادائیگی میں بھی کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی۔

واقعہ ہجرت نے مکے سے آنے والے مہاجرین اور حضورؐ کی اقتصادی حالت مضمحل کر کے رکھ دی تھی۔ دوسرے مہاجرین تو مدینہ منورہ آکر کسی حد تک حصول معاش کی جدوجہد میں لگ گئے تھے لیکن آپؐ پر منصب رسالت کی تعلیمی، تبلیغی، تربیتی اور تنظیمی ذمے داریاں اتنی وسیع، اتنی ہمہ پہلو اور اتنی ہمہ گیر تھیں کہ ان سے وقت نکال کر معاشی مشاغل میں مصروف ہونا

انصار نے آپؐ کی اور آپؐ کے اہل خانہ کی ضروریات کی کفالت کی خاطر اپنے نخلستانوں میں کھجوروں کے کچھ درخت مخصوص کردیئے تھے۔ اور کچھ دودھ دینے والی اونٹنیاں اور بکریاں آپؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کردی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان دنوں حرم نبوی کے مکینوں کا زیادہ تر انحصار دودھ اور کھجوروں پر ہی تھا اور تنگی و عسرت کا دور دورہ تھا۔

۴ھ میں جب یہودیوں کا قبیلہ بنی نضیر اپنی باغیانہ روش کی بنا پر مدینے سے نکالا گیا تو اس کے چھوڑے ہوئے کچھ نخلستان آپؐ نے بحکم خداوندی اپنے ذاتی اور خانگی اخراجات کے لئے خاص کرلئے۔ آپؐ ان کی پیداوار فروخت کرکے مساوی طور پر ازواج مطہرات میں تقسیم فرمادیتے تھے لیکن یہ آمدنی بھی اتنی کم تھی کہ گزارہ بڑی مشکل سے ہوتا تھا۔

۷ھ میں خیبر اور یہودیوں کے دوسرے علاقے اسلامی سلطنت کے زیرنگیں آگئے۔ قرآنی ہدایت کے مطابق آپؐ نے ان میں سے ایک حصہ اپنے گھر کے اخراجات کے لئے مخصوص کرلیا اور تمام مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ خیبر کی فتح کے بعد آپؐ نے اپنی ہر زوجہ مطہرہ کے سالانہ اخراجات کے لئے ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو مقرر کردیئے موجودہ دور کے حساب سے ان اجناس کی مقدار تقریباً" ۳۲۰ من کھجوریں اور ۸۰ من جو بنتی ہے۔ بظاہر اجناس کی یہ مقدار ایک زوجہ مطہرہ کے ایک سال کے اخراجات کے لئے کافی معلوم ہوتی ہے لیکن مستند اور معتبر روایات اس امر کی شاہد ہیں کہ اس کے بعد بھی اللہ کے آخری رسولؐ کے گھروں میں فقرو فاقہ اور افلاس و تنگدستی کا ہی دور دورہ رہا۔ اس حیرت افزا اور تعجب انگیز صورتحال کو سمجھنے کے لئے امہات المومنین کی سوچ' ان کے طرز عمل اور ان کے

مجموعی کردار کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ خدائے عزوجل نے اپنے محبوب نبیؐ کی رفاقت اور زوجیت کے لئے جن بلند حوصلہ خواتین کو منتخب کیا ان میں بے شمار اخلاقی اور روحانی خوبیوں اور کمالات کے ساتھ جو صفت اور جو خوبی سب میں مشترکہ طور پر موجود تھی وہ تھی دل کی وسعت' ہاتھ کی کشادگی اور ابنائے جنس کے بارے میں دلسوزی و دردمندی۔ یہ صفات بنیادی طور پر ان کی طبیعت اور ان کے مزاج کا جزّو تھیں۔ پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت و تربیت سے ان کی یہ فطری صلاحیتیں جلا پاکر اپنے اوج کمال کو پہنچ گئیں۔ اب وہ کشادہ دل بھی تھیں اور فراغ دست بھی۔ ان کے جود و سخا اور کرم و عطا نے ایسے دریا کی حیثیت اختیار کرلی تھی جس کی طغیانی اور روانی کناروں کی ہر قید سے آزاد تھی۔ ان کے اس طرز عمل نے ان کی طبیعتوں کو صبر و قناعت اور زہد و توکل کا ایسا خوگر بنا دیا تھا کہ اسی حالت میں انہیں سکون بھی حاصل تھا اور روحانی مسرت بھی۔

۱۲۔ حضورؐ کی شادیوں کی حکمتیں

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضورؐ نے اپنے عالم شباب میں ایک چالیس سالہ بیوہ عورت سے شادی کی اور پورے ۲۵ سال ان کے ساتھ نہایت خوش گوار خانگی زندگی بسر کی۔ ان کے انتقال کی بعد پھر جس خاتون کو شرف زوجیت بخشا وہ پچاس سالہ بیوہ تھیں۔ پورے چار سال وہ تنہاہی حرم نبوت کو اپنی باوفا رفاقت کی شمع سے منور کئے رہیں۔ ۱ھ میں سیدہ عائشہؓ اس حرم مقدس میں داخل ہوئیں۔ ۳ھ میں جب کہ آپؐ کی عمر مبارک ۵۳ سال ہوگئی تھی جوانی ڈھل چکی تھی اور بڑھاپے کے طبعی آثار ظاہر ہونا شروع ہوگئے تھے، آپؐ نے شادیوں کا سلسلہ شروع کردیا اور ۷ھ کے آخر تک ۹ اولوالعزم خواتین کاشانہ اقدس میں جلوہ افروز ہوگئیں۔

قابل غور امر یہ ہے کہ خداوندکریم نے اپنی کتاب میں ان تمام شادیوں کی توثیق کی اور اپنے نبیؐ کو ان شادیوں کے سلسلے میں خصوصی ہدایات بھی دیں اور خصوصی مراعات بھی۔ مراعات درج ذیل تھیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک وقت میں چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنے پر جو پابندی عائد کی تھی، اس نے اپنے نبیؐ کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ (سورہ احزاب آیت ۵۰)

۲۔ ایک سے زیادہ بیویوں کی صورت میں ان کے درمیان عدل و مساوات قائم رکھنے کا جو حکم تمام اہل ایمان کو دیا گیا تھا، اللہ نے اپنے رسولؐ سے یہ پابندی بھی ہٹالی۔ (سورہ احزاب آیت ۵۱)

قرآن مجید نے ہر شوہر کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو جب چاہے طلاق دے کر اپنے نکاح کی قید سے اسے آزاد کر دے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو ہدایت کی کہ اس کے بعد آپ کسی اور عورت سے شادی کر سکتے ہیں نہ اپنی ان بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے کر اپنے سے جدا کر سکتے ہیں (سورہ احزاب آیت ۵۲)

قران مجید کی یہ تصریحات واضح کر رہی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شادیاں دنیا کے دوسرے لوگوں کی عام شادیوں کی طرح نہیں بلکہ یہ شہنشاہ کائنات کی اس سکیم کا لازمی حصہ تھیں جو بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل تھی۔

اب ہم ذیل میں قرآن مجید کے حوالے سے ان شادیوں کی حکمتیں اور ان کے مصالح معلوم کرنے کی کوشش کریں گے:

پہلی حکمت۔ تعلیم و تربیت

خداوند کریم نے اپنی آخری کتاب میں اپنے نبیؐ کے فرائض اس طرح بیان کئے ہیں:

"ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات سناتا ہے۔ تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے۔ تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے" (سورہ بقرآیت ۱۵۱)

قرآن مجید کی یہ آیت بڑی وضاحت سے بیان کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد جو کام کیا تھا وہ یہ تھا کہ آپؐ ایک ان پڑھ قوم کو جو عام تہذیب و تمدن کے نقطہ نظر سے ناشائستہ

تھی' ہر شعبہ زندگی میں تعلیم و تربیت دے کر اعلےٰ درجہ کی مہذب ' متمدن' شائستہ اور پاکیزہ قوم بنائیں۔ اس غرض اور اس مقصد کے لئے صرف مردوں کو تعلیم و تربیت کے نور سے منور کر دینا کافی نہ تھا بلکہ طبقہ نسواں کی تربیت بھی اتنی ہی ضروری تھی۔ مگر تہذیب و معاشرت کے جن اصولوں کو سکھانے کے لئے آپؐ مامور کئے گئے تھے ان کی رو سے مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل جول اور اختلاط ممنوع تھا۔ ظاہر ہے ان اصولوں کو توڑے بغیر آپؐ کے لئے عورتوں کو براہ راست تربیت دینا ممکن نہ تھا۔ اسی لئے خواتین میں تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت کا کام کرنے کی ایک ہی صورت ممکن تھی کہ مختلف صلاحیتوں' مختلف قابلیتوں اور مختلف عمروں کی عورتوں سے آپؐ شادی کریں اور انہیں خود براہ راست تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کر کے اپنے اس عظیم و ارفع کام میں مدد کے لئے تیار کریں۔ پھر ان سے ہر قسم کی دیہاتی' شہری' جوان' ادھیڑ عمر اور بوڑھی عورتوں کو دین کے احکام بتانے اور اسلامی اخلاق و تہذیب کے اصول سکھانے کا کام لیں۔

اول تو ازواج مطہرات' ازواج نبیؐ کی حیثیت سے خود بخود اپنے رفیق زندگی کے ان کاموں میں اپنے اس تعلق اور رشتے کے فطری تقاضوں کی وجہ سے مددگار اور معاون تھیں' پھر بھی اللہ تعالیٰ نے خود ان کو ان کی اس حیثیت اور ان کے اس کام سے آگاہ کیا' چنانچہ انہیں مخاطب کر کے حکم دیا گیا
:

"نبیؐ کی بیویو' یاد رکھو اور بیان کرو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں" (سورہ احزاب آیت ۳۴)

خدا کے رسولؐ کے اس دعوتی اور تربیتی کام میں ازواج مطہرات کی مدد

اور شرکت کیوں ضروری تھی' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طبیعت اور اپنے مزاج کے لحاظ سے کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے اور باحیا تھے۔ اس پر مزید یہ کہ صحابہ کرامؓ بھی بعض مسائل براہ راست آپؐ سے پوچھتے ہوئے شرماتے تھے۔ خواتین بھی شرماتی تھیں۔ بعض مسائل ایسے تھے جنہیں صرف خواتین بلکہ ازواج مطہرات ہی بیان کر سکتی تھیں۔ مثلاً" ایک دفعہ ایک خاتون آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے دریافت کیا "یا رسول اللہ' ماہواری کے بعد کس طرح پاکی حاصل کروں؟"

آپؐ نے پہلے غسل کا طریقہ بیان کیا پھر اسے فرمایا کہ روئی کا استعمال کر۔ عرب میں اس وقت روئی کے استعمال کا رواج نہ تھا' اس لئے خاتون نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ' روئی کیسے استعمال کروں؟" آپؐ نے فرمایا: "روئی سے طہارت حاصل کرو۔" لیکن وہ خاتون بات کو سمجھ نہ سکی اور بار بار پوچھتی رہی۔ اس پر حضرت عائشہؓ جو اس وقت وہاں موجود تھیں' اس کا ہاتھ پکڑ کر الگ لے گئیں اور اسے بتایا کہ فلاں جگہ پر اس طرح رکھنی ہے۔ اس موقع پر سیدہ عائشہؓ کام آئیں۔ ایسے اور بہت سے مسائل تھے جن میں خواتین کو سمجھانے کے لئے ازواج مطہرات کی ضرورت پڑتی تھی۔

خداوند کریم نے ازواج نبیؐ کے سپرد جو کام کیا تھا اسے انہوں نے پوری ذمے داری اور پوری خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ خواتین کے استفسارات حضورؐ کی خدمت میں پیش کئے اور آپؐ کے ارشادات کمال حزم و احتیاط کے ساتھ ان تک پہنچائے۔ اس کے ساتھ اپنی زندگیاں عملی طور پر تعلیمات الٰہی کے سانچے میں ڈھال کر طبقہ نسواں کے سامنے بطور نمونہ پیش

کردیں۔ اور ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے علم و حکمت کے ان آبدار جواہر کو احادیث کی صورت میں قیامت تک آنے والی نسلوں تک منتقل کردیا۔ ان برگزیدہ ہستیوں کی بیان کردہ احادیث کی تعداد دو ہزار آٹھ سو بائیس (۲۸۲۲) ہے۔ ان سے ان احادیث کو بیان کرنے والوں میں جلیل القدر صحابہ کرام بھی ہیں اور عظیم المرتبت تابعین بھی۔ ان روایات کا تعلق صرف نسوانی مسائل سے نہیں بلکہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں سے ہے۔

ہم نے ازواج مطہرات کی روایت کردہ احادیث کی جو تعداد بیان کی ہے اس کے حجم اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تقابل کے لئے کچھ مثالیں پیش نہ کی جائیں:

۱۔ اہل علم کے نزدیک کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح بخاری ہے۔ اس کتاب میں احادیث کی کل تعداد سات ہزار تین سو ستانوے (۷۳۹۷) ہے۔ ان میں کچھ احادیث ایسی ہیں جو مختلف عنوانات کے تحت بار بار درج ہوئی ہیں۔ اگر ان مکررات کو حذف کردیا جائے تو کل تعداد دو ہزار چھ سو دو (۲۶۰۲) رہ جاتی ہے' یعنی ازواج مطہرات کی بیان کردہ احادیث سے دو سو بیس کم۔

۲۔ صحیح مسلم میں احادیث کی کل تعداد سات ہزار دو سو پچھتر ہے (۷۲۷۵) اگر مکررات کو حذف کردیا جائے یعنی وہ روایت جو مختلف ابواب میں کئی بار درج ہوئی ہے اسے ایک ہی شمار کیا جائے تو باقی تعداد تقریباً" چار ہزار رہ جاتی ہے یعنی ازواج النبیؐ کی احادیث سے ایک ہزار ایک سو اکہتر زیادہ۔

۳۔ اس وقت ہمارے سامنے علامہ محمد فواد عبدالباقی کی کتاب اللؤلؤ

والمرجان ہے۔ اس میں صاحب موصوف نے متفق علیہ احادیث کو جمع کیا ہے' یعنی ایسی احادیث جن کو امام بخاری اور امام مسلم نے اپنے صحیحین میں مشترکہ طور پر درج کیا ہے۔ ان کی کل تعداد ایک ہزار نو سو چھ (۱۹۰۶) ہے یعنی امہات المومنین کی بیان کردہ کل احادیث سے سات سو سولہ (۷۱۶) کم۔

۴ ۔ موطا امام مالک حدیث کی قدیم ترین کتابوں میں سے ہے۔ اس کی صحت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اسے "صحاح ستہ" میں شمار کیا ہے۔ اس کتاب میں کل ایک ہزار ستائیس روایتیں منقول ہیں' یعنی اہل ایمان کی ماؤں کی احادیث کے مقابلے میں نصف سے بھی کم۔

۵ ۔ سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ "صحاح ستہ" میں شامل ہیں لیکن ان میں درج روایات کی تعداد بالترتیب چار ہزار آٹھ سو اور تقریباً" چار ہزار ہے۔ اگر ان میں سے مکررات کو نکال دیا جائے تو ان میں درج احادیث کی تعداد بھی امہات المومنین کی احادیث کی تعداد کے مقابلے میں کم ہی رہ جائے گی۔

ان مثالوں سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ امت مسلمہ کو اپنی دینی ماؤں کی وساطت سے علم دین کی بے بہا دولت کا کتنا وافر اور کثیر حصہ حاصل ہوا۔

دوسری حکمت ۔ غلبہ دین

اللہ تعالیٰ اپنی آخری نبیؐ کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہے:

"وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اسے تمام نظامہائے زندگی پر غالب کرے۔ خواہ مشرکوں کو یہ

کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔" (سورہ توبہ آیت ۳۳)

اس آیت کی رو سے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد یہ خدمت بھی تھی کہ آپ پرانے جاہلی اور طاغوتی نظام زندگی کو ختم کرکے اس کی جگہ خدا کا عطا کردہ یعنی اسلامی نظام زندگی عملاً" قائم کریں۔ اس مقصد کے لئے آپ نے تذکیر و تبلیغ' تعلیم و تفہیم اور دعوت و ارشاد کی تمام تدابیر اختیار کیں۔ لیکن اس خدمت کی انجام دہی میں آخر کار جاہلی نظام کے علمبرداروں اور سرپرستوں سے تصادم اور جنگ ناگزیر تھی۔ یہ تصادم اور یہ کشمکش اس ملک اور اس ماحول میں پیش آرہی تھی جہاں قبائلی طرز زندگی اپنی مخصوص روایات اور اپنی پوری آن بان کے ساتھ رائج تھا۔ ان حالات میں دوسری تدابیر کے ساتھ آپؐ کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ آپؐ مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں شادیاں کرکے بہت سے سابقہ تعلقات کو مستحکم اور بہت سی عداوتوں اور دشمنیوں کو ختم کریں' چنانچہ جن عورتوں کو آپؐ نے شادیوں کے لئے منتخب کیا ان کے چناؤ میں ان کے ذاتی کمالات اور شخصی اوصاف کے علاوہ یہ غرض اور یہ مصلحت بھی کم و بیش شامل تھی۔ حضرت عائشہؓ سے شادی کی' جس سے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تعلقات میں مزید استحکام پیدا ہوا اور قبیلہ بنی تیم سے رشتے داری قائم ہوئی۔ قریش میں اس قبیلے کی اتنی اہمیت تھی کہ خون بہا کے مقدمات کے فیصلوں کا کام اسی کے سپرد تھا۔ سیدہ حفصہؓ کے ساتھ شادی نے حضرت عمرؓ فاروق کو آپؐ کے مزید قریب کردیا اور ان کا قبیلہ عدی' جس کے پاس سفارت کی ذمہ داریاں تھیں، آپؐ کے ساتھ رشتہ مصاہرت میں منسلک ہوگیا۔ سیدہ ام سلمہؓ اس خاندان کی بیٹی تھیں جس سے ابوجہل اور خالدؓ بن ولید جیسے فوجی جرنیلوں کا تعلق تھا۔ سیدہ ام حبیبہؓ

ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ حضورؐ کے ساتھ ان کے نکاح کے بعد پھر ابوسفیان آپؐ کے مقابلے میں نہیں آیا بلکہ وہ مدینے میں صلح کی کوشش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔ سیدہ جویریہؓ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار کی لخت جگر تھیں۔ یہ قبیلہ قزاقوں کا بھی تھا اور اسلام سے عداوت و دشمنی رکھنے والوں کا بھی۔ سیدہ جویریہؓ جنگی قیدی کی حیثیت سے مدینہ منورہ پہنچیں۔ آپؐ نے انہیں آزاد کر کے انہیں اپنے نکاح میں لے لیا۔ آپؐ کے اس اقدام سے قبیلے کی سوچ اور طرزِ عمل میں انقلاب آگیا۔ اس کے افراد قزاقی و رہزنی اور اسلامی ریاست کے خلاف فتنہ انگیزی و شورش پسندی چھوڑ کر اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوگئے۔ اسی طرح سیدہ صفیہؓ ایک یہودی قبیلے کے سردار کی صاحبزادی تھیں۔ وہ بھی جنگ کے موقع پر مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئیں۔ آپؐ نے انہیں آزادی کی نعمت سے نوازا اور ساتھ ہی آپؐ نے ان سے شادی کر کے یہودیوں کی طرف سے مخالفت و مزاحمت کی بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کردیا کیونکہ اس زمانے کی عربی روایات کے مطابق جس شخص سے کسی قبیلے کی بیٹی بیاہی جاتی تھی وہ لڑکی کے خاندان کا ہی نہیں بلکہ پورے قبیلے کا داماد سمجھا جاتا تھا اور داماد سے لڑنا اور اس کے خلاف صف آرا ہونا بڑے شرم اور عار کی بات سمجھی جاتی تھی۔

آپؐ نے عمرہ قضا کے موقع پر سیدہ میمونہؓ سے مکے میں شادی کی۔ اس کے اثرات کفر و شرک کے گڑھ مکے پر اس طرح مرتب ہوئے کہ اخلاقی، روحانی اور معاشرتی نقطہ نظر سے یہ شہر اسلام کی اخلاقی اور اجتماعی قوت کے ہاتھوں اسی دن فتح ہوگیا تھا گو سیاسی اور عسکری فتح نو ماہ بعد رمضان ۸ ھ کو عمل میں آئی۔ اسی شادی کے نتیجے میں نجد کا علاقہ جو شورش و بغاوت کی

آماجگاہ بنا ہوا تھا' اسلامی ریاست اور اس کے سربراہ کا حامی' مددگار اور خیرخواہ بن گیا۔

اسی طرح حضورؐ کی یہ شادیاں کفر و ظلم کے استبدادی نظام کے استیصال اور اسلام کے عادلانہ اور منصفانہ نظام حیات کے غلبہ و استیلا کا ذریعہ ثابت ہوئیں۔

تیسری حکمت ۔ اصلاح رسوم

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اپنے رسولؐ کا تعارف کراتے ہوئے آپؐ کے فرائض منصبی میں سے ایک فرض کا اس طرح ذکر کرتا ہے:

"(ہمارا رسول) ان پر سے بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔"

(سورہ اعراف آیت ۱۵۷)

اس بوجھ اور ان بندشوں سے مراد وہ جاہلانہ اور ظالمانہ رسمیں تھیں جنہوں نے عرب معاشرے کو اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا اور ان غیرفطری اور غیراخلاقی رسوم و قیود کی بدولت بے شمار بے راہرویوں اور بے اعتدالیوں کو پنپنے اور فروغ پانے کے مواقع مل رہے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ شادیاں خدا کے اشارے سے ان غیر فطری رسوم کو توڑنے اور ان کے متعلق ذہنوں میں صدیوں سے جمے ہوئے تصورات اور معتقدات کو زائل کرنے کے لئے کیں۔ مثلاً:

۱۔ عرب میں منہ بولے بھائی کی بیٹی کو حقیقی بھتیجی کی طرح سمجھا جاتا تھا اور اس سے شادی ناپسندیدہ اور ناجائز تصور کی جاتی تھی۔ آپؐ نے سیدہ عائشہؓ کے لئے نکاح کا ...

سے نکاح کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تو آپؐ کی بھتیجی ہے۔"

اس تصور اور اس خیال کی اصلاح فرماتے ہوئے آپؐ نے فرمایا "ابوبکرؓ بے شک میرے دینی بھائی ہیں لیکن ان کی بیٹی سے میری شادی جائز ہے۔"

چنانچہ آپؐ نے سیدہ عائشہؓ سے نکاح کر کے اس تصورِ باطل کی بیخ کنی فرمادی۔

۲۔ عرب میں ہی نہیں بلکہ اس وقت پوری دنیا میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کا درجہ دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے نکاح کے لئے بہت سے حلال رشتے حرام قرار پاجاتے تھے۔ آپؐ نے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کی مطلقہ سیدہ زینبؓ کو بحکم خداوندی اپنی زوجیت میں لے کر گود لینے کی اس رسم اور اس کے غیر فطری اور غیر حقیقی لوازمات کے بتوں کو پاش پاش کردیا۔ اس طرح یہ شادیاں معاشرے میں پھیلی ہوئی جاہلانہ رسموں کے قلع قمع کا موجب ثابت ہوئیں۔

چوتھی حکمت۔ شانِ رحمت کا اظہار

خالقِ کائنات نے اپنے برگزیدہ رسولؐ کی شان اور اس کی صفات کا تذکرہ قرآن مجید میں اس طرح کیا ہے:

"دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسولؐ آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے۔ تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے۔ ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔" (سورہ توبہ آیت ۱۲۸)

حضورؐ کی شادیاں آپؐ کی بے پایاں رحمت و رافت اور آپؐ کی بے کراں شانِ رحیمی و کریمی کا مظہر ہیں۔ آپؐ نے اللہ کے دین کی خاطر بے پناہ

ریکارڈ قائم کردینے والی خواتین کو ان کی بے بسی اور بے کسی کے عالم میں سہارا دیا اور ان کی دستگیری کی اوران کو مایوسیوں اور ناامیدیوں کی تاریکیوں سے نکال کر ان کے حال اور مستقبل کو تابندہ اور درخشندہ بنا دیا۔ سیدہ سودہؓ اسلام کے ابتدائی دور میں آپؐ کی تحریک سے وابستہ ہو گئیں۔ اور اس راہ میں ہجرت کی تلخیاں اور سختیاں برداشت کیں۔ بیوہ ہو گئیں جب کہ عمر پچاس سے بھی تجاوز کرچکی تھی۔ اس عمر میں یہ امر ناممکن تھا کہ کوئی انہیں اپنی رفاقت میں لیتا لیکن یہ آپؐ کی شان رحمت تھی کہ آپؐ نے انہیں اپنے نکاح میں لے کر ان کے مستقبل کو تابناک بنا دیا۔

سیدہ حفصہؓ عالم جوانی میں ہی بیوہ ہو گئیں۔ یہ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت عمرؓ اپنی بیٹی کی بیوگی سے سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے ان کے لئے رفیق زندگی تلاش کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اپنی اس پریشانی کا ذکر اپنے ہادی و رہنماؐ سے کیا۔ آپؐ نے انہیں حوصلہ دیا اور ان کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لے کر ان کے اضطراب کو اطمینان میں بدل دیا۔

سیدہ ام سلمہؓ نے خدا کے دین کے غلبے کی جدوجہد میں کون سی ایسی تکلیف اور مشقت تھی جو برداشت نہیں کی اور کون سی ایسی قربانی تھی جو بخوشی اس بلند مقصد کی خاطر نہ دی۔ خدا کی راہ میں ان کے شوہر شہید ہوگئے۔ سیدہ پر بے بسی اور بے چارگی کا عالم طاری ہوگیا۔ چھوٹے چھوٹے چار یتیم بچے، نہ کوئی خبرگیری کرنے والا اور نہ کوئی ذریعہ آمدنی۔ غیور اتنی کہ ان کی حالت دیکھتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے انہیں نکاح کا پیغام دیا لیکن انہوں نے اپنے جذبہ غیرت کی بنا پر پیغام قبول کرنے سے انکار کردیا۔ حضورؐ نے آگے بڑھ کر اپنی ایک جان نثار اور وفاشعار صحابیہ کی دستگیری کی اور انہیں ام

المومنین کے شرف سے نواز کر ان کے غموں اور دکھوں کا مداوا کیا۔

سیدہ ام حبیبہؓ رئیس قریش ابوسفیان کی لخت جگر تھیں۔ ایمان کی دولت کے تحفظ کی خاطر وطن چھوڑا۔ حبشہ میں رفیق زندگی مرتد ہوگیا۔ پورے دس سال بڑی عزیمت و استقامت سے ناسا عد حالات کا مقابلہ کیا۔ غریب الوطنی میں بیوہ ہوگئیں۔ گویا ان پر درد و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ آپؐ نے انہیں اپنی رفاقت سے مشرف فرما کر ان کی قربانیوں کی قدر افزائی بھی فرمائی اور نیا حوصلہ اور ولولہ بھی عطا فرمایا۔

سیدہ جویریہؓ اور سیدہ صفیہؓ عرب کے نامور سرداروں کی بیٹیاں تھیں۔ وہ جنگی قیدیوں کی حیثیت سے آپؐ کی خدمت میں باریاب ہوئیں۔ انہیں لونڈیاں بنا کر بھی رکھا جاسکتا تھا لیکن آپؐ نے انہیں آزاد کیا اور پھر ان سے شادیاں کر کے اپنی بے پناہ رحمت و رافت کا ثبوت دیا۔

اسی طرح سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ جن کے پے در پے دو شوہر اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر چکے تھے' آپؐ نے ازراہ شفقت ان سے شادی کر کے ان کی پژمردگی اور اداسی کو بشاشت و فرحت میں تبدیل فرمادیا۔

الغرض آپؐ کی شادیاں جہاں دوسری اور بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی تھیں وہیں یہ آپؐ کی شان رحمت کے اظہار کا ناقابل تردید ثبوت بھی ثابت ہوئیں۔

باب نمبر ۱

روئے زمین پر سب سے پہلے نبوت محمدی کی تصدیق کرنے والی ہستی جس نے فہم و فراست، تدبر و حکمت، ایثار و قربانی، خدمت و اطاعت اور ہمدردی و دلسوزی کے ایسے روشن مینار قائم کئے جن کی نورانی شعاعوں سے رہتی دنیا تک پوری انسانیت جگمگاتی رہے گی۔

ام المومنین سیدہ خدیجتہ الکبریٰؓ بنت خویلد

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	اجمالی تعارف	۹۰
۲	خاندانی حالات	۹۱
۳	کاروبار میں حضورؐ کی شرکت	۹۳
۴	تجارتی سفر	۹۵
۵	سفر سے واپسی کا منظر	۹۵
۶	حضورؐ سے نکاح	۹۶
۷	ابوطالب کا خطبہ نکاح	۹۸
۸	شادی کی خوشی	۹۹
۹	کاروبار میں وسعت	۱۰۰
۱۰	سیدہؓ کا گھر	۱۰۱
۱۱	حضورؐ کے متعلقین کے ساتھ سیدہؓ کی شفقت	۱۰۱
۱۲	دل درد مند کی بے تابیاں	۱۰۵
۱۳	سیدہؓ کی خدمت گزاری	۱۰۵
۱۴	انکشاف حقیقت	۱۰۶
۱۵	سیدہؓ کی ذہانت	۱۰۷
۱۶	حضورؐ کی پریشانی کی وجہ	۱۰۸
۱۷	سیدہؓ کا اعتراف حقیقت	۱۰۹
۱۸	نبوت محمدیؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی	۱۱۰
۱۹	پہلے ایمان لانے والے	۱۱۱

"خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ رشتے داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں' سچ بولتے ہیں' امانتیں ادا کرتے ہیں' بے سہارا لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں۔اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں۔ آپ کے اخلاق کریمانہ ہیں۔"

یہ الفاظ اپنے ادا کرنے والے کی شخصیت و سیرت' طرز فکر' تصور اخلاق ' انداز معاشرت اور اس کی روحانی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ سخت پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں یہ الفاظ صرف اسی کی زبان سے ادا ہوسکتے ہیں جس کا پختہ یقین ہو کہ اس کائنات کا فرمانروا اور مدبر ایک ایسی بااختیار ہستی ہے جس کی صفت رحمت اس کی تمام صفات پر غالب اور جس کی نگاہ میں انسان دوستی' خدمت خلق' صلہ رحمی' ناداروں اور بے سہاروں کی پرورش' کمزوروں اور مظلوموں کی حمایت اور مہمانوں کی تواضع اور دلجوئی جیسی صفات پسندیدہ اور قابل ستائش ہیں۔ یہ الفاظ بے ساختہ صرف ایسی شخصیت کی زبان سے نکل سکتے ہیں جس کی سیرت اور اس کے عادات و اطوار ایسے ہی بلند پایہ کریمانہ اخلاق کے سانچے میں ڈھلے ہوئے

ہوں اور ان کی قدرو منزلت اور اہمیت و عظمت اس کے قلب و روح کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو چکی ہو۔

یہ ہیں تمام اہل ایمان کی وہ بزرگ ترین ماں جس نے فہم و فراست ' تدبر و حکمت ' ایثار و قربانی' وفاشعاری ' خدمت و اطاعت' سلیقہ شعاری و معاملہ فہمی محبت اور ہمدردی ودلسوزی کے وہ روشن مینار قائم کیے جن کی نورانی شعاعوں سے رہتی دنیا تک پوری انسانیت جگمگاتی رہے گی۔

اس عظیم ترین ماں نے اپنی سیرت و کردار کی پاکیزگی ' حوصلہ کی بلندی ' بے مثل عزیمت و استقامت اور بے بدل جرات و ہمت کی بدولت طبقہ اناث کو وہ اعزازو شرف عطا فرمایا کہ اسے ذلت و خواری اور بے کسی و بے بسی کے اسفل السافلین سے اٹھا کر ادب واحترام اور عزت و وقار کے اوج ثریا تک پہنچا دیا۔ اب اس صنف نازک سے تعلق رکھنے والی ہر سلیم الفطرت خاتون فخر کے ساتھ سربلند کرکے کہہ سکتی ہے کہ " ہمارا تعلق اس طبقے سے ہے جس کی امام اور سرخیل سیدہ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰؓ ہیں اور ہمیں اس امر پر ناز ہے کہ ہم ان کی روحانی بیٹیاں ہیں۔"

خاندانی حالات

سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ بنت خویلدبن اسد قبیلہ قریش کی ایک نہایت معزز اور باوجاہت شاخ بنی اسد سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ خاندان اپنی شرافت و نجابت اور کاروباری معاملات میں اپنی ایمانداری اور راست روی سے عزت و شہرت کے بلند مقام پر فائز تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ علم الانساب کے ماہرین نے سیدہ خدیجہؓ کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا

خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ قصی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد تھے۔

اہل مکہ کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے زمانہ ہی سے سب سے اہم ذریعہ معاش تجارت تھا۔ قریش کے تجارتی تعلقات اندرون عرب اور بیرون ملک بڑے وسیع اور مستحکم تھے۔ سیدہ خدیجہؓ کے والد خویلد عرب کے مشہور تاجر اور قریش میں معزز اور نامور تھے۔ دولت و ثروت ان کے گھر کی کنیز تھی۔ سیدہ موصوفہ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہاں شرافت، دیانت و امانت اور ایفائے عہد اور احساس ذمے داری کی اخلاقی خوبیوں کے ساتھ ساتھ دولت کی ریل پیل تھی۔ ان اخلاقی خوبیوں، مادی فراوانیوں اور گھر کی تربیت اور ماحول نے ابتدائے زندگی ہی سے جود و کرم، عطا و سخا، غریب پروری و مسکین نوازی اور فراخ دلی و عالی حوصلگی جیسی اعلیٰ صفات کو ان کی طبیعت و فطرت کا لازمی حصہ بنادیا تھا۔

حضرت قتادہؓ کے قول کے مطابق حضرت خدیجہؓ کی پہلی شادی عتیق بن عاید مخزومی سے ہوئی جس سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کے انتقال کے بعد آپ کی دوسری شادی ابوہالہ ہند بن نباش تمیمی سے ہوئی جس سے تین لڑکے ہند، ہالہ اور طاہر پیدا ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد ابوہالہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اس دوسرے شوہر کی وفات کے بعد سیدہ خدیجہؓ نے اپنی تمام تر دلچسپیوں اور توجہات کا مرکز اپنے تجارتی کاروبار کو بنالیا۔

سیدہ محترمہ اپنی عفت و حیا، پاکیزہ سیرت اور طبیعت کی شرافت کی وجہ سے قریش میں طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ پورے قبیلے میں ان کی

دانائی اور ان کے اخلاقی اوصاف کے باعث ان کا بے حد احترام کیا جاتا۔ اس کے ساتھ خالق کائنات نے ان کو حسن و جمال کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ قریش کی کوئی عورت اور کوئی مرد ان سے زیادہ مالدار نہ تھا۔ ابن سعد کے بیان کے مطابق قریش کا تجارتی قافلہ جب مکے سے روانہ ہوتا تو اس میں آدھے سے زیادہ سامان سیدہ خدیجہؓ کا ہوتا تھا۔

سیدہ طاہرہ خدیجہؓ اب بیوہ تھیں۔ اب ان کا انہماک اپنے کاروبار کی طرف تھا۔ وہ کسی مرد کو اپنا سامان تجارت مقررہ اجرت پر یا مضاربت کے اصول کے تحت حصے پر دے دیتیں ۔ اس مقصد کے لئے انہیں ہروقت ایسے شخص کی تلاش رہتی جو شریف النفس ہو' صادق القول ہو' جس کی امانت و دیانت پر بھروسہ کیا جاسکے۔

کاروبار میں حضورؐ کی شرکت

اسی شہر مکے میں ایک نوجوان ہے جس کا تعلق قبیلہ قریش کے معزز ترین خاندان بنی ہاشم سے ہے ۔ وہ جوانی ہی سے اپنے چچا سردار مکہ ابو طالب کے تجارتی کاروبار میں بطور مددگار فرائض انجام دے رہا ہے۔ اس مقصد کی خاطر وہ کئی تجارتی سفر بھی کرچکا ہے۔ اس کے سب ساتھی اس کی ہوشمندی اور معاملے کی صفائی کے معترف ہیں۔ اس کی صداقت و دیانت کے چرچے عام ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ شہرت اپنا حلقہ وسیع کرتی جاتی ہے۔ ابھی اس جوان دلربا نے اپنی عمر کی پچیسویں منزل میں قدم رکھا ہے کہ اس کی قوم یعنی قبیلہ قریش پر اس کی شرافت ' دیانت وامانت' صداقت شعاری ' نیک نفسی ' حسن اخلاق ' سنجیدگی ودانشمندی ' ضبط نفس' اور حلم ووقار اور سردارانہ شان کی خوبیاں نمایاں ہونے لگیں ۔ اس کا غیر معمولی احترام و اعتماد

اور اثر و نفوذ لوگوں میں قائم ہوتا چلا گیا۔ یہ جوان، جس کا مردانہ حسن دلکش مگر پر رعب تھا اور جس کی جوانی ہر قسم کے داغ سے پاک تھی، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا۔

ابن سعد نے طبقات میں محمد بن عقیل کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ابو طالب نے حضرت خدیجہؓ سے جا کر کہا کہ اے خدیجہؓ! کیا تم یہ پسند کرو گی کہ اپنی تجارت کے لئے کسی اور کی خدمات حاصل کرنے کے بجائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاملہ کرلو۔ انہوں نے جواب دیا آپ اگر کسی دور کے ناپسندیدہ آدمی کے لئے بھی فرماتے تو بھی میں مان لیتی۔ آپ تو اس شخص کے لئے کہہ رہے ہیں جو بہت قریبی ہے۔ لیکن علامہ ابن اثیر نے اپنی الکامل میں بیان کیا ہے کہ جب سیدہ خدیجہؓ کو آنحضورؐ کے اخلاق و کردار کے متعلق معلوم ہوا تو انہوں نے خود ایک آدمی کے ذریعے آپؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر آپ میرا سامان تجارت لے کر شام کی طرف تشریف لے جائیں تو میں دوسروں کے مقابلے میں آپ کو دو گنا معاوضہ دوں گی۔ آپؐ نے سیدہ خدیجہؓ کی یہ پیشکش قبول کرلی۔

ہمارے نزدیک ابن اثیر کی روایت زیادہ قابل قبول اور لائق ترجیح ہے۔ سیدہ طاہرہ خدیجہؓ رشتے میں آپؐ کی چچا زاد بہن تھیں۔ اتنے قریبی تعلق کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آپؐ کے حالات و واقعات اور آپؐ کی شہرت سے ناواقف اور اپنے کاروبار کی ترقی و فروغ کے لئے آپؐ کی خدمات حاصل کرنے کی خواہاں اور اس کے لئے کوشاں نہ ہوں۔

علامہ ابن اثیر نے آنحضورؐ کے اس تجارتی سفر کی روداد بڑی تفصیل سے بیان کی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

تجارتی سفر

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سیدہ خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ سامان تجارت لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؐ کے چچا ابو طالب نے قافلے والوں کو آپؐ کے خیال و نگہداشت کی خاص طور پر تاکید کر دی تھی۔ بالآخر آپؐ شام میں بمقام بصریٰ فروکش ہوئے اور ایک درخت کے زیر سایہ آرام پذیر ہوئے۔ پاس ہی ایک صومعہ تھا جس میں نسطورا نامی راہب عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ راہب نے کھڑکی سے سر نکالا اور جھک کر میسرہ سے پوچھا: "درخت کے سائے میں یہ کون صاحب آرام فرما ہیں؟" میسرہ نے جواب دیا: "قریشی ہیں۔" راہب نے پھر دریافت کیا: "کیا اس کی آنکھ میں سرخی ہے؟" میسرہ نے کہا: "ہاں! اور وہ سرخی کبھی دور نہیں ہوئی۔" یہ سن کر راہب بولا: "بلاشبہ یہ نبی ہے اور آخری نبی ـــ۔ کیونکہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں اترا۔"

راستے میں میسرہ دیکھتا جاتا تھا کہ جب دوپہر کے وقت گرمی سخت ہوتی تو دو فرشتے آپؐ پر سایہ کیے رہتے۔ میسرہ یہ سب باتیں اپنے ذہن میں محفوظ کرتا رہا۔ سامان تجارت فروخت ہوا جس میں خلاف توقع بہت زیادہ نفع ہوا۔ جب آپؐ واپس مکے تشریف لائے تو میسرہ نے وہ تمام باتیں جو دیکھی اور سنی تھیں۔ سیدہ خدیجہؓ سے بیان کیں۔ جب سیدہ خدیجہؓ نے دیکھا کہ ان کے کاروبار میں بہت زیادہ نفع ہوا ہے تو انہوں نے آپؐ کو معین شدہ اجرت سے دگنی رقم دی۔

سفر سے واپسی کا منظر

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں یہ روایت بیان کی ہے کہ شام کے سفر سے جب یہ قافلہ مکے پہنچا تو دوپہر کا وقت تھا۔ سیدہ خدیجہؓ اس وقت اپنے گھر کی بالائی منزل پر تھیں۔ انہوں نے بھی دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم اپنے اونٹ پر سوار چلے آرہے ہیں اور دو فرشتے آپؐ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔

حضورؐ سے نکاح

ابن اثیر کے قول کے مطابق قریش کا ہر وہ شخص جو نکاح کے قابل تھا' سیدہ طاہرہ خدیجہؓ سے نکاح کا خواہشمند تھا۔ مکے کے اکثر نامور اور بااثر سرداروں نے اپنی اس خواہش کو باضابطہ طور پر آپ کی خدمت میں پہنچایا بھی لیکن آپ نے قبول کرنے سے انکار کردیا کیونکہ عمر کی پختگی ' ذہن و شعور کی پاکیزگی اور اخلاق و روح کی بلندی نے اب آپ کے سامنے انسانیت کا جو بلند معیار قائم کر دیا تھا' وہ ان روسائے قریش میں مفقود تھا لیکن جب محمد صلی اللہ علیہ و سلم ' جو اپنی قوم میں صادق اور امین کے القابات و خطابات سے معروف و مشہور تھے' کی مبارک ' دل پسند اور مقدس صورت سیدہ موصوفہ کے مشاہدے میں آئی تو وہ پہلی نظر ہی میں پہچان گئیں کہ یہ ہے میرا گوہر مقصود و مطلوب' چنانچہ انہوں نے آپؐ کے ساتھ نکاح کرنے کا فیصلہ کرلیا ------ علامہ شبلی کی تحقیق کے مطابق اس وقت کے عرب معاشرے میں عورت اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کرنے کی مجاز تھی خواہ وہ بالغہ ہو یا نابالغہ ' بیوہ ہو یا باکرہ ۔ اس لئے سیدہ نے یہ اہم معاملہ فوری طور پر خود ہی پایہ تکمیل تک پہنچانے کا عزم بالجزم کرلیا۔

ابن سعد کی روایت کے مطابق سیدہ موصوفہ نے اپنی قابل اعتماد سہیلی نفیسہ کو آپؐ کی رائے معلوم کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں بھیجا۔ نفیسہ اور آپؐ کے درمیان جو گفتگو ہوئی' وہ کچھ اس طرح ہے:

نفیسہ: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟

محمد: (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس رکھا ہی کیا ہے جو میں شادی کروں۔

نفیسہ: اس کا انتظام ہو گیا ہے۔ آپ کو ایسی جگہ شادی کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے جہاں جمال بھی ہے اور مال بھی۔ شرف بھی ہے اور قابلیت بھی۔ کیا آپ اسے قبول کریں گے؟

محمد: (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون ہے؟

نفیسہ: وہ ہے میری قابل احترام سہیلی خدیجہ۔

محمد: (صلی اللہ علیہ وسلم) میری ان سے شادی کیسے ہو سکتی ہے؟

نفیسہ: اسے آپ میرے اوپر چھوڑ دیں۔

محمد: (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر یہ بات ہے تو میں تیار ہوں۔

ابن سعد کی مذکورہ بالا روایت کے ساتھ ساتھ ابن اسحٰق کی وہ روایت جسے ابن ہشام نے نقل کیا ہے صورت حال اور معاملے کی نوعیت اور سیدہ خدیجہؓ کی قلبی کیفیت کو واضح کرنے کے لئے بڑی مفید اور مددگار ہے۔ اس روایت کے مطابق سیدہ خدیجہؓ نے خود حضورؐ سے براہ راست بات کی اور کہا: "اے ابن عم! آپ سے میری رشتے داری بھی ہے اور میں آپ کی امانت و صداقت' حسن خلق و شرافت نسبی اور اوصاف حمیدہ کی وجہ سے بھی یہ چاہتی ہوں کہ آپ سے شادی کر لوں۔"

یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اس دور میں پردے کا رواج تھا نہ عورتوں کا مردوں کے ساتھ براہ راست بات چیت کرنا کوئی اخلاقی اور معاشرتی برائی سمجھی جاتی تھی۔ باہمی رضامندی کے مراحل طے ہوجانے کے بعد سیدہ خدیجہؓ نے پیغام بھجوایا کہ فلاں وقت اپنے خاندان کے بزرگوں کو ساتھ لے کر نکاح کے لئے تشریف لے آیئے' چنانچہ حضورؐ اپنے چچاؤں اور بزرگ رشتے داروں کے ساتھ' جن میں ابو طالب اور حضرت حمزہؓ بھی شامل تھے' وقت مقررہ پر سیدہ خدیجہؓ کے مکان پر پہنچ گئے۔ سیدہ کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد نے ولایت کے فرائض انجام دیے۔ نکاح ابو طالب نے پڑھایا۔ حضورؐ نے مہر میں اکثر روایات کے مطابق بیس اونٹ اور بعض روایات کے مطابق چار سو طلائی دینار اسی وقت ادا کیے۔ علامہ ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ شادی کی یہ تقریب شام کے سفر سے واپسی کے دو ماہ پچیس دن بعد ہوئی۔ حضورؐ کی عمر اس وقت پچیس سال اور سیدہ خدیجہؓ کی عمر چالیس برس تھی۔

ہمارے دور کے مایہ ناز محقق و مورخ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے علامہ زرقانی کی ایک روایات کی بنیاد پر شادی کے وقت سیدہ خدیجہؓ کی عمر ۲۸ سال بتائی ہے اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں بہت سے عقلی، طبعی اور طبی دلائل بھی فراہم کیے ہیں مگر یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ اہل علم اور ثقہ مورخین اور بالغ النظر سیرت نگاز اسی بات پر متفق ہیں کہ شادی کے وقت سیدہ کی عمر چالیس سال تھی۔

ابوطالب کا خطبہ نکاح

اس شادی کی تقریب کے موقع پر جس میں تمام قابل ذکر ...

اور سرداران قریش موجود تھے' حضرت ابوطالب نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور اس کے جواب میں ورقہ بن نوفل نے بھی جوابی کلمات کہے۔ ہم ان کے کچھ اقتباسات محمد رضا مصری کی کتاب "محمدؐ" سے یہاں پیش کرتے ہیں۔

حضرت ابوطالب اپنے خطبے میں حمد و ثنا کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ میرا بھتیجا' محمد بن عبداللہ' جس کا عقل و شرافت اور فضل و شرف میں کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا اگرچہ وہ دولت مند نہیں لیکن مال کا کیا ہے ؟ وہ ایک ناپائیدار چیز اور ڈھلتا ہوا سایہ ہے۔ تو میرے اس محمد نے جس کا جو رشتہ مجھ سے ہے اس سے آپ سب واقف ہیں' خدیجہؓ بنت خویلد سے نکاح کا ارادہ کیا ہے اور خدا کی قسم! اس کے بعد وہ مستقبل میں "عظیم خیر" اور شان جلیل کا مالک ہوگا۔"

حضرت ابو طالب کے بعد سیدہ خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

"حمد ہے اس خدا کی جس نے ہم کو ان فضائل و مناقب کا مالک بنایا جس کا ذکر ابو طالب نے کیا۔ ہم ہی ہیں سرداران عرب اور قائدین عرب اور ایسے ہی تم بھی ہو۔ کوئی قبیلہ بھی تمہارے فضل سے انکار اور کوئی شخص بھی تمہارے فخر و شرف کی تردید نہیں کرسکتا۔ ہم نے چاہا کہ تمہارے رشتہ شرف سے ہمیں بھی تعلق ہو ـــ پس اے گروہ قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہؓ بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ سے اتنے مہر پر کردیا۔"

شادی کی خوشی

شادی کی اس تقریب کی خوشی کا اظہار ام المومنین سیدہ طاہرہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مکان پر ان کی سہیلیوں نے دف بجا کر کیا۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمے کی تقریب کا انتظام کیا' جس کے لئے بعض روایات کے مطابق دو اونٹ ذبح کیے گئے۔

شادی کا یہ مبارک موقع قران السعدین تھا صداقت و امانت اور طہارت و سیادت کا جس کے انوار و برکات نے پورا ماحول روشن اور منور کردیا۔

شادی کے بعد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی اقامت سیدہ کے مکان ہی پر اختیار کرلی۔ اب موصوفہ کا یہ مکان باہمی محبت و ہمدردی اور خیرخواہی و دلجوئی کا ایک ایسا گہوارہ اور امن و سلامتی کا ایسا مسکن بن گیا تھا جس پر بہشت بریں کی بہاریں بھی رشک کرنے لگیں۔

سیدہ کا نذرانہ محبت

ام المومنین سیدہ خدیجہؓ نے اپنے محبوب شوہر کی بارگاہ عقیدت میں اپنی محبت و وفا کا نذرانہ کچھ اس انداز سے پیش کیا کہ دوئی اور من و تو کے تمام امتیازات یکسر ختم ہوگئے۔ یگانگت و ہم آہنگی اور موانست و ملاطفت کی ایسی سہانی اور دل موہ لینے والی فضا قائم ہوئی جس کی نظیر محبت و الفت اور تعاون و اعتماد کی پوری دنیا میں ملنی محال ہے۔

کاروبار میں وسعت

قابل احترام سیدہ کے تجارتی کاروبار کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کئی تجارتی سفر کیے۔ امام ذہبی اور امام حاکم نے یمن کے مشہور مقام جرش کی طرف آپؐ کے دو سفروں کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح مسند احمد میں یہ روایت مذکور ہے کہ جب مدینہ منورہ میں عرب کے مشرقی ساحلی علاقے سے' جسے اس زمانے میں بحرین کہا جاتا تھا' عبدالقیس کا

وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے وہاں کے ایک ایک مقام کا نام لے کر اس کا حال پوچھا۔ اس پر لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا تو آپؐ نے فرمایا میں تمہارے ملک میں خوب پھرا ہوں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کی سچی رفاقت اور ان کے وسیع ترین تجارتی کاروبار میں آنحضورؐ کی مخلصانہ، معاونت نے آپؐ کی مالی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کردیا جس کے باعث آپؐ کی سماجی حیثیت میں کئی گنا اضافہ ہوا۔

سیدہؓ کا گھر

معاشرے کے پسے ہوئے طبقے کی خبرگیری اور دلسوزی، جو آپؐ کی عادت، طبیعت اور شخصیت کی ایک اہم خصوصیت تھی، اب اس نے ایک تلاطم خیز دریا کی صورت اختیار کرلی۔ سیدہ خدیجہؓ کا گھر، جو اب اس شخصیت کا گھر بھی تھا جو اپنی ذات اور سیرت کے لحاظ سے دکھی انسانیت کے لئے مداوا اور بے سہاروں کے لئے سہارا تھی، غریبوں، مسکینوں، ناداروں اور بے کسوں کا ملجا و ماویٰ بن گیا۔ یہاں ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری ہوتیں، بے سہاروں کو سہارا ملتا، بے نواؤں کی فریاد سنی جاتی، یتیموں اور بیواؤں کی اعانت ہوتی۔ یہ تھا مسلمانوں کی سب سے بڑی ماں کا گھر جس کا چشمہ فیض ہر وقت رواں دواں تھا۔

حضورؐ کے متعلقین کے ساتھ سیدہؓ کی شفقت

حلیمہ سعدیہ، جس نے بچپن میں حضورؐ کو دودھ پلایا تھا، وہ ایک مرتبہ آپؐ کے پاس آئیں۔ اس وقت آپ کی سیدہ خدیجہؓ سے شادی ہوچکی تھی۔

حلیمہ سعدیہ نے شکایت کی کہ قحط سالی نے انہیں بری طرح تباہ و برباد کردیا ہے اور ان کے تمام مویشی ہلاک ہو چکے ہیں۔ آپ نے ان کو چالیس بکریاں اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ مرحمت فرمایا۔

ابولہب کی ایک لونڈی کا نام ثوبیہ تھا۔ اس نے بھی چند روز حضورؐ کو دودھ پلایا تھا۔ آپؐ اس سے ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے۔ سیدہ خدیجہؓ آپؐ سے شادی کے بعد ان کی بڑی عزت و تکریم کرتیں۔ سیدہ نے بارہا کوشش کی کہ ثوبیہ کو ابولہب سے خرید کر آزاد کردیں مگرابولہب نہیں مانا، تاہم بعد میں اس نے خود ہی اسے آزاد کردیا۔

ام المومنین سیدہ طاہرہ خدیجہؓ نے اپنی حکیمانہ فراست اور دونوں خاندانوں کے متعلقین کے ساتھ اخلاق و ایثار پر مبنی خوشگوار تعلقات کے ذریعے گھر میں ایسا پاکیزہ، دلآویزاور فرحت بخش ماحول پیدا کردیا تھا کہ جو ایک بار اس سے وابستہ ہوگیا ہمیشہ کے لئے اس کا ہو کر رہ گیا۔

حضرت زیدؓ قبیلہ کلب سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی عمر آٹھ سال کی تھی کہ ان کی والدہ انہیں اپنے ساتھ لے کر اپنے میکے گئیں۔ وہاں ان کے پڑاؤ پر قبیلے کے مخالف لوگوں نے ہلہ بول دیا اور سامان کے ساتھ زیدؓ کو بھی پکڑ کر لے گئے اور عکاظ کے میلے میں فروخت کردیا۔ ان کو خریدنے والے سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام تھے۔ وہ انہیں مکے لے آئے اور اپنی پھوپھی صاحبہ کی خدمت میں نذر کردیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جب سیدہ خدیجہؓ سے نکاح ہوا تو آپؐ کو زید کے عادات و اطوار اتنے پسند آئے کہ آپؐ نے انہیں حضرت خدیجہؓ سے مانگ لیا۔ اس طرح یہ خوش نصیب بچہ اس شخص کی خدمت میں پہنچ گیا جو خیرالخلائق تھا اور جسے اللہ تعالے نبی بنانے والا

تھا۔ اس وقت زیدؓ کی عمر پندرہ سال تھی۔

کچھ عرصے بعد ان کے باپ اور چچا کو پتہ چلا کہ ان کا بچہ مکے میں ہے۔ وہ تلاش کرتے ہوئے آنحضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی کہ ہم فدیہ دینے کو تیار ہیں۔ آپ ہمارا بچہ ہمیں دے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا: " میں یہ معاملہ بچے کی مرضی پر چھوڑتا ہوں۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہو تو بغیر کسی فدیے کے تمہارے ساتھ بھیج دوں گا۔ اگر وہ میرے پاس رہنے پر رضامند ہے تو میں ایسا شخص نہیں کہ زبردستی ایسے آدمی کو نکال دوں جو میرے ساتھ رہنا چاہتا ہو۔" اس پر انہوں نے کہا آپ نے انصاف سے بھی بڑھ کر بات کی ہے۔ آپؐ نے زیدؓ کو بلا کو پوچھا: "تم ان لوگوں کو جانتے ہو؟" زیدؓ نے کہا: " ہاں! یہ میرا باپ ہے اور وہ میرا چچا ہے۔" آپؐ نے فرمایا: " اچھا' تم انہیں بھی جانتے ہو اور مجھے بھی ۔ اب تم پوری طرح آزاد ہو ' چاہے ان کے ساتھ چلے جاؤ اور چاہے میرے پاس رہو۔" اس پر زیدؓ نے عرض کی میں آپؐ کو چھوڑ کر کسی اور کے پاس نہیں رہنا چاہتا۔ یہ سن کر ان کے باپ اور چچا نے کہا: " اے زید! تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے۔ اپنوں کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے۔؟ اپنے باپ اور چچا کی یہ باتیں سن کر انہوں نے کہا: " میں نے ان کے وہ اعلیٰ اوصاف دیکھے ہیں۔ ان کے بعد اب میں ان پر کسی اور شخص کو ترجیح نہیں دے سکتا اور نہ کسی اور کے پاس رہ سکتا ہوں۔" زیدؓ کی باتیں سن کر ان کا باپ اور چچا ان کو بخوشی آپؐ کے پاس چھوڑ جانے پر راضی ہو گئے۔

اس کے بعد آپؐ نے زیدؓ کو آزاد کر دیا اور حرم میں اپنے ساتھ لے جا کر اعلان کیا: " اے گروہ قریش! گواہ رہو! آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ یہ مجھ

سے وراثت پائے گا اور میں اس سے۔" اسی بنا پر لوگ ان کو زیدؓ بن محمدؐ کہنے لگے۔

جہاں حضرت زیدؓ کی اس ذہنی اور قلبی کیفیت پیدا کرنے میں حضورؐ کی پدرانہ عنایت و شفقت کا ہاتھ تھا وہیں اس میں سیدہ خدیجہؓ کی مادرانہ محبت و الفت بھی برابر کی شامل تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عمر ابھی چار یا پانچ سال کی تھی کہ آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی پرورش اور کفالت میں لے لیا۔ اس واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب مکے اور اس کے گردونواح میں قحط سالی اور گرانی کا دور دورہ تھا' آپؐ کو خیال آیا کہ میرے محسن و مربی چچا ابوطالب کا کنبہ بہت بڑا ہے اور مالی حالت نہایت کمزور' اس مصیبت و پریشانی کی حالت میں ان کا بوجھ ہلکا کرنے کی تدبیر کرنی چاہیے۔ چنانچہ آپؐ اپنے دوسرے چچا حضرت عباسؓ کے پاس گئے اور فرمانے لگے:" تمہارے بھائی پر بھاری بوجھ ہے۔ انکے ایک بیٹے کی ذمے داری آپ قبول کرلیں اور ایک کی میں کرلیتا ہوں۔"

حضرت عباسؓ جو مالدار آدمی تھے' اس تجویز سے متفق ہو گئے اور دونوں چچا بھتیجے نے ابو طالب کے پاس جاکر اپنا مدعا بیان کیا۔ اس پر انہوں نے کہا:" عقیلؓ کو میرے لئے چھوڑ دو اور باقی جس کو چاہو اپنے ساتھ لے جاؤ۔" حضرت عباسؓ' جعفرؓ کو اپنے ساتھ لے گئے اور آنحضورؐ حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لے آئے۔

حضرت علیؓ آنحضورؐ کے شفیق و مہربان چچا کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ عمر بھی ان کی چار پانچ سال تھی۔ آپؐ کی ان سے محبت و شفقت

فطری بات تھی، لیکن سیدہ خدیجہؓ نے ان کو جو ماتا اور پیار دیا اس نے ان کے قلب و روح پر اس گھر کے مکینوں کی عظمت و تقدس کے وہ نقوش ثبت کیے جو ان کی پوری زندگی کا حسین ترین سرمایہ بن گئے۔

دل دردمند کی بے تابیاں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خانگی اور کاروباری ذمے داریاں بڑی خوش اسلوبی سے نبھاتے رہے۔ پورا معاشرہ آپؐ کی اخلاقی برتری اور آپؐ کے حسن تدبر کا معترف تھا لیکن قدرت نے آپؐ کو جسم صحت مند اور ذہن ارجمند کے ساتھ دل دردمند بھی عطا فرمایا تھا۔ آپؐ اپنی قوم کی جہالت اور جاہلیت دیکھ کر کڑھتے رہتے۔ آپؐ کے سامنے بے جان اور بے وقعت بتوں کی پرستش ہوتی۔ شرک اور مشرکانہ اوہام و رسوم کا دور دورہ تھا۔ معاشرے میں ظلم و فساد عام تھا۔ بے بس اور بے سہارا لوگ زور داروں کی زیادتیوں کی چکی میں پس رہے تھے۔ بے حیائی، بے شرمی اور بداخلاقی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ لڑکیاں زندہ دفن کی جارہی تھیں۔ قبیلوں پر قبیلے چھاپے مار رہے تھے۔ کسی کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہ تھی۔ یہ پریشان کن اور اندوہناک حالات آپؐ کی حساس طبیعت کے لئے ایک ناقابل برداشت بوجھ ثابت ہو رہے تھے۔ آپؐ کے غم و اندوہ اور فکرو پریشانی میں یہ بات ہر لمحہ مزید اضافہ کیے جارہی تھی کہ آپؐ کو اصلاح کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس گھرے سوچ بچار نے آپؐ کی طبیعت کو خلوت گزینی کی طرف مائل کردیا، چنانچہ آپؐ مکے سے تین میل دور ایک غار میں تشریف لے جاتے اور وہاں مسلسل کئی کئی دن غور و خوض اور عبادت و مراقبے میں گزار دیتے۔

سیدہؓ کی خدمت گزاری

ایک وفادار اور غم گسار بیوی کے لئے اپنے محترم شوہر کی طبیعت اور مزاج میں یہ تبدیلی سخت پریشانی اور تشویش کا موجب بن جاتی ہے۔ مختلف قسم کے اندیشے اور خطرات اس کے قلبی سکون اور ذہنی توازن کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیتے ہیں، مگر ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، جو اپنے مایہ ناز شوہر کے مزاج کی سلامتی، ذوق کی پاکیزگی اور طبیعت کی استواری سے بخوبی واقف تھیں، پریشان ہوتی ہیں نہ کسی تشویش کا اظہار کرتی ہیں اور پوری یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ اپنے خاوند کی دلجوئی، خدمت گزاری اور وفاشعاری کا فریضہ انجام دئے چلی جاتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے کا سامان ساتھ لے کر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور چند روز وہاں گزارتے۔ جب سامان ختم ہو جاتا تو گھر تشریف لے آتے۔ سیدہ خدیجہؓ پھر چند روز کا سامان مہیا کر دیتیں۔ اور یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔

انکشاف حقیقت

آخر کار رمضان عام الفیل ۴۰ کی ایک رات جب آپؐ غار حرا میں مصروف عبادت تھے اور آپؐ کی عمر مبارک چالیس برس اور چھ ماہ تھی تو انسانی تاریخ کا وہ اہم اور عظیم الشان واقعہ پیش آیا جس نے تقدیر عالم کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

پہلی وحی کے نزول کی تفصیل، جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن کر آپؐ کے الفاظ میں بیان فرمائی ہے، وہ اس طرح ہے:

" ایک فرشتہ میرے سامنے آیا۔ اس نے کہا:" پڑھو۔" میں نے کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں۔ اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:" پڑھو۔" میں نے کہا:" میں تو پڑھا ہوا نہیں" اس نے دوبارہ مجھے بھینچا اور میری قوت برداشت جواب دینے لگی ۔ پھر اس نے مجھے کہا:" پڑھو۔" پھر میں نے کہا" میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔" اس نے تیسری دفعہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی اور پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

" پڑھو! (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو' اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔"(سورہ علق آیت ۱ تا ۵)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس انوکھے تجربے اور واقعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی ۔ آپؐ کانپتے اور لرزتے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے کہنے لگے:" مجھے اڑھاؤ۔" چنانچہ آپ کو کمبل اوڑھا دیا گیا۔ جب خوف و حیرت کی یہ کیفیت ذرا کم ہوئی تو آپؐ نے فرمایا:" اے خدیجہؓ! مجھے یہ کیا ہو گیا ہے؟" اور پھر سارا واقعہ ان کو سنایا اور کہا:" مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔"

سیدہؓ کی ذہانت

ام المومنین سیدہ خدیجتہ الکبریٰؓ ، جو ذہانت و فطانت اور فراست و معاملہ فہمی کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ ، ذہنی رفعت اور روحانی شرف و عظمت سے بخوبی آگاہ

تھیں، معاملے کی حقیقت فوراً سمجھ جاتی ہیں اور آپؐ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتی ہیں:

" ہرگز نہیں! اپ خوش ہوجایئے۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپؐ رشتے داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، امانتیں ادا کرتے ہیں۔ بے سہارا لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں۔ نادار لوگوں کو کما کردیتے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے جاتی ہیں جو بت پرستی چھوڑ کر عیسائیت قبول کرچکے تھے۔ عربی اور عبرانی کے جید عالم تھے۔ انجیل کی کتابت کرتے تھے لیکن اس وقت بہت ضعیف اور نابینا ہوچکے تھے۔ ورقہ بن نوفل نے سارا ماجرا سن کر ابو نعیم اصفہانی کی روایت کے مطابق کہا:

" یہ وہی عالم بالا سے وحی لانے والا فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس بھی وحی لے کر آیا تھا... کاش! میں آپؐ کے زمانہ نبوت میں قوی ہوتا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپؐ کی قوم آپؐ کو شہر سے نکالے گی۔"

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ اس پر ورقہ نے کہا:

" ہاں! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا ہو جو آپؐ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں نے آپؐ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی پرزور مدد کروں گا۔"

حضورؐ کی پریشانی کی وجہ

اس عظیم اور غیر معمولی تجربے سے آپؐ پر وہی کیفیت طاری ہوئی جو لامحالہ ایسے مواقع پر کسی انسان پر طاری ہونی چاہیے۔ آپؐ کی یہ پریشانی' گھبراہٹ اور خلجان نتیجہ تھا ان بے شمار سوالات اور خطرات کا جو آپؐ کے ذہن مبارک میں اس وقت پیدا ہو رہے تھے اور تلاطم خیز موجوں کی طرح پے در پے اٹھ رہے تھے۔ کیا واقعی میں نبی بنا دیا گیا ہوں ؟ کہیں مجھے سخت آزمائش میں تو نہیں ڈال دیا گیا ؟ یہ بار عظیم آخر میں کیسے اٹھاؤں گا؟ لوگوں سے کیسے کہوں گا کہ میں تمہاری طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں ؟ لوگ میری یہ بات کیسے مان لیں گے ؟ جس معاشرے میں آج تک عزت و وقار سے رہا ہوں اب اس معاشرے کے لوگ میرا مذاق اڑائیں گے' دیوانہ کہیں گے۔ اس جاہلیت کے ماحول سے آخر کیسے لڑ سکوں گا ؟

سیدہؓ کا اعتراف حقیقت

حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جو پندرہ سال سے ایک وفا شعار رفیقہ حیات کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھیں اور جن کی عمر اس وقت تقریباً ۵۵ سال تھی اور جو حضورؐ کی عادات ' ذہنی کیفیات ' قلبی واردات و احساسات اور سیرت کی بلندی و رفعت سے بخوبی واقف تھیں' غار حرا میں پیش آنے والے واقعات سن کر فوراً یقین کر لیتی ہیں کہ آپؐ پر خدا کا وہی فرشتہ وحی لے کر آیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا اور ان کا یقین مزید مضبوط ہو جاتا ہے جب ان کا چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بھی اس بات کی تصدیق کر دیتا ہے۔

پریشانی دور ہوتی ہے

خدا کی رحمت اور تائید اپنے پیارے نبیؐ کے شامل حال تھیں۔ خوف و حیرت کی بحرانی کیفیت چند لمحوں بعد سکون و اطمینان اور عزم و ہمت کی فکر انگیز اور ولولہ خیز صورت اختیار کرلیتی ہے۔ نبوت کے منصب پر سرفراز ہوتے ہی آپؐ کو معلوم ہوگیا کہ توحید' رسالت اور آخرت پر ایمان ہی وہ کلید ہے جس سے انسانی زندگی کے ہربگاڑ اور فساد کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت و رہنمائی سے آپؐ کے ذہن سے تمام بوجھ اتر گیا اور آپ پوری طرح مطمئن ہو گئے کہ اس ذریعے سے آپؐ نہ صرف عرب بلکہ پوری نسل انسانی کو ان خرابیوں سے نکال سکتے ہیں جن میں اس وقت عرب سے باہر کی بھی ساری دنیا مبتلا اور گرفتار ہے۔

نبوت محمدیؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی

تمام مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ جس خوش نصیب ہستی کو سب سے پہلے حضورؐ کی نبوت کی تصدیق کرنے کی سعادت حاصل ہوئی' وہ ہم تمام مسلمانوں کی باعظمت ماں سیدہ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰؓ ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حق و راستی سے محبت آپ کی فطرت صالحہ کا جزو لاینفک تھی۔ یہ آپ کی بلند ہمتی' عالی حوصلگی اور حق و انصاف کی خاطر ہر قسم کے خطرات کو برداشت کرنے کی جرات کا برملا اعلان تھا۔ اپنے ذاتی مشاہدات و معلومات اور ورقہ بن نوفل کی وضاحت کی بنا پر آپ کو پوری طرح احساس تھا کہ اس راہ پر قدم رکھنا وادی خارزار میں قدم رکھنے کے مترادف ہے اورتوحید کی دعوت پر لبیک کہنا پورے جاہلی معاشرے کو دشمنی اور عداوت کی دعوت دینا ہے مگر اس ہوشمند عظیم خاتون نے جو پیکر مہرو وفا اور مجسمہ صدق

وصفا تھی، ایک ایسے انقلابی اور تاریخ ساز اقدام کا فیصلہ کرلیا جس پر قیامت تک پوری نسل انسانی رشک ہی نہیں بلکہ فخر کرتی رہے گی ۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اسی جرات مندانہ اقدام نے طبقہ نسواں کے عزو شرف میں وہ چار چاند لگادیے جن کی نورانی کرنیں اس طبقہ کی حرمت و وقار اور عزت و احترام کو تاابد درخشندہ و تابندہ بنائے رکھیں گی۔ اس مقدس و محترم روحانی ماں کا اس امت کی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں پر کتنا مہتم بالشان احسان ہے جس کا کچھ بدلہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ ان کی پاک سیرت کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔

پہلے ایمان لانے والے

ام المومنین سیدہ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد سب سے پہلے ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہونے والوں میں سیدنا ابوبکرؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے اسمائے گرامی تمام محدثین اور مورخین کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔

ان میں سے حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کا تعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے سے تھا۔ حضرت علیؓ کی عمر قبول اسلام کے وقت صرف دس سال تھی۔ وہ عرصہ پانچ چھ سال سے اس گھر میں زیر تربیت تھے جس کے معاملات کی دیکھ بھال کی ذمے داری سیدہ خدیجہؓ کے ہاتھ میں تھی ۔

حضرت زیدؓ آٹھ سال کی عمر میں اس گھر کے افراد میں شامل ہوئے اور پورے بائیس سال تک اپنی مخدومہ کی نیک سیرت، حسن سلوک اور شفقت کا مشاہدہ و تجربہ کرتے رہے۔ اب ان کی عمر ۳۰ سال تھی۔ حضور صلی اللہ

کام پر مامور ہوئے تو اس گھر کے ان ہر دو افراد یعنی حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ نے فوراً اللہ کے رسولؐ کی حمایت و اعانت کے لئے اپنے آپ کو پیش کردیا اور اپنی زندگیاں توحید کی دعوت پھیلانے اور اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لئے وقف کردیں۔

حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ جنہیں قسام ازل کی طرف سے شروع ہی سے طبیعت کی سلامتی و استواری اور فطرت کی ہمواری و پاکیزگی ودیعت ہوئی تھی، ان کے سامنے آنحضور صلی اللہ علیہ و سلم کا پاکیزہ کردار بھی تھا اور سیدہ خدیجہؓ کی ہوشمندی اور دانشمندی بھی۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ان کے آقا و مربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم جن کی صداقت و دیانت ان کے نزدیک ہر قسم کے شک و شبہہ سے بالاتر تھی، یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے مجھے اپنا نبی مقرر کیا ہے اور انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ ان کی محترمہ و مخدومہ سیدہ خدیجہؓ آپؐ کے اس دعوے کی تصدیق کررہی ہیں تو ان کا یقین حق الیقین کی حد تک پہنچ گیا کیونکہ انہوں نے اپنی مخدومہ کو کبھی غلط بات کی تائید اور باطل موقف کی حمایت کرتے نہیں دیکھا تھا۔ نیز انہیں اپنی مخدومہ کی تجربہ کاری، مردم شناسی اور معاملہ فہمی جیسی خوبیوں پر مکمل اعتماد تھا۔ سیدہ خدیجہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کا سابقون الاولون میں شامل ہونا اس گھر کی سہانی فضا اور اس کے خوش گوار ماحول کی نشاندہی کے لئے کافی ہے جس میں خاتون خانہ خود سیدہ موصوفہ تھیں۔

خاتون خانہ کے طرز عمل کی اہمیت

ایک گھر کے ماحول کی نوعیت کا انحصار خاتون خانہ کے طرز عمل پر ہے۔

اسے ایک سلیقہ شعار، غم گسار اور وفادار رفیقہ حیات کی رفاقت اور مخلصانہ اعانت حاصل نہ ہو تو اس کی اکثر خوبیاں غیر موثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔ میاں بیوی میں ہم آہنگی و یک رنگی اور باہمی مودت اور ملاطفت کا فقدان گھر کو کردار سازی اور سیرت گری کی صلاحیتوں سے یکسر محروم کردیتا ہے۔ گھر کی یہ ناسازگاری اور ناموافقت اس میں پرورش پانے والوں اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے دلوں میں شک و شبہ، بے اعتمادی و بے اعتباری اور بے ہمتی اور بے حوصلگی کی ایسی کیفیت راسخ کردیتی ہے کہ ان میں نہ تو اپنے بڑوں پر اعتبار کرنے کی صلاحیت باقی رہتی ہے اور نہ کسی بلند اور ارفع کام کو انجام دینے کا حوصلہ اور ولولہ۔

کتنا پیارا تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مبارک اور مقدس گھر جس پر ہروقت اللہ کی نعمتوں اور برکتوں کی بارش ہوتی تھی، جہاں ہرلحہ انوار و تجلیات الٰہی کی سہانی سہانی شعاعیں ضیاپاش رہتی تھیں۔ کیوں نہ ہو، یہ گھر سیدہ خدیجہؓ کا بھی گھر تھا جنہوں نے لطف و کرم، داد و دہش، انسانی ہمدردی و خیرخواہی، حق پسندی و حق دوستی اور بے لوثی اور بے غرضی کی ایسی بے نظیر مثالیں قائم کیں جن کی بناء پر بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ سیدہ محترمہ نے اپنی طبیعت و مزاج، اپنے ذوق و رجحان اور اپنے اخلاق و عادات کو اپنے شوہر، جو ان کا آقا و مولا بھی تھا، کی سیرت کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ ان کی پسند کو اپنی پسند اور ان کی ناپسند کو اپنی ناپسند قرار دینا اپنا شعار بنالیا تھا۔ سیدہ خدیجہؓ کی شخصیت و سیرت کا یہی زریں پہلو ہے جس نے انہیں عزت و عظمت کے آسمان پر آفتاب نصف النہار بنادیا۔

نماز کی فرضیت

طبری، امام احمد، ابن ماجہ اور طبرانی نے زیدؓ بن حارثہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ توحید کے اقرار اور بتوں سے براءت کے بعد اسلامی شریعت میں جو چیز سب سے پہلے فرض کی گئی وہ نماز تھی ۔ پہلی وحی کے نزول کے دوسرے روز حضرت جبرائیل حضورؐ کے پاس آئے۔ آپؐ کو وضو کا طریقہ سکھایا۔ پھر جبرائیل نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اور آپؐ کو اپنے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے کہا ۔ پھر حضورؐ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے اس کا ذکر کیا۔ وہ سن کر خوشی کے مارے مدہوش ہوگئیں۔ آپؐ نے انہیں وضو کرایا اور حضرت جبرائیل کے طریقے کے مطابق انہیں اپنے ساتھ نماز پڑھائی ۔

نماز کی ادائیگی کا یہ اسلامی طریقہ عبادت کے مروجہ طریقوں سے بالکل مختلف تھا، اس لئے آپؐ ، حضرت خدیجہؓ اور حلقہ اسلام میں داخل ہونے والے مسلمان ایسی خفیہ جگہ پر نماز پڑھتے رہے جو عام لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتی تھی۔ صورت حال کی وضاحت کے لئے حضرت عفیف کندیؓ کا وہ بیان کافی ہے جسے حافظ ابن عبدالبر اور علامہ ابن جریر طبری نے نقل کیا ہے:

" میں اپنے کاروبار کے سلسلے میں ایک دفعہ مکے آیا اور اپنے پرانے دوست حضرت عباسؓ کے ہاں ٹھہرا۔ حج کے دن تھے ۔ منیٰ کے میدان کے قریب میں نے دیکھا کہ ایک شاندار اور باوقار مرد آیا اور وضو کرکے نماز پڑھنے کھڑا ہوگیا۔ اس کے بعد ایک عورت آئی اور وضو کرکے اس کے پیچھے نماز پڑھنے کھڑی ہوگئی ۔ پھر ایک لڑکا آیا جو ابھی نوعمر تھا۔ وہ پہلے شخص کے پہلو میں نماز پڑھنے کھڑا ہوگیا۔ ان تینوں نے نماز پڑھی اور چلے گئے۔ میں نے عباسؓ سے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں انقلاب آنے والا ہے۔ عباسؓ

نے کہا ہاں، تم جانتے ہو یہ تینوں کون ہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ عباسؓ نے کہاوہ شاندار نوجوان میرا بھتیجا محمدؐ بن عبداللہ تھا، لڑکا ابوطالب کا بیٹا علی تھا اور وہ عورت جس نے دونوں کے پیچھے نماز پڑھی وہ میرے بھتیجے محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیوی خدیجہؓ بنت خویلد تھی۔ میرے بھتیجے کا دعویٰ ہے کہ اس کا دین الہامی ہے اور وہ ہر کام خدا کی ہدایت کے مطابق کرتا ہے لیکن ابھی تک ان تینوں کے سوا اس دین کا کوئی پیرو میرے علم میں نہیں۔"

دعوت اسلامی طبقہ خواتین میں

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حق کی دعوت اور اشاعت کا کام تدریج کے فطری اصولوں کے مطابق بڑی تندہی اور مستعدی سے شروع کردیا۔ ابتدا میں آپؐ نے خفیہ طور پر دعوت پھیلانے کا منصوبہ وضع کیا اور تین سال تک انتہائی اعتماد کے قریبی دوستوں میں کام کرتے رہے۔ اس مہم میں ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کی پرجوش اعانت اور باوقار رفاقت آپؐ کو برابر حاصل رہی، چنانچہ تین برس کی شبانہ روز محنت اور جدوجہد کے نتیجے میں جن سعیدالفطرت اور خوش قسمت انسانوں کو اصلاح انسانیت کی اس عہد ساز تحریک کا ہراول دستہ بننے کی سعادت نصیب ہوئی "سیرت سرور عالمؐ" کے مصنف سید مودودیؒ کی تحقیق کے مطابق ان کی تعداد ۱۳۳ تھی، ان میں ۲۷ کا تعلق طبقہ نسواں سے تھا۔

ہم یہاں ان عالی حوصلہ اور بلند ہمت خواتین کے ناموں کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں جنھوں نے اس ابتدائی دور میں کاروان عزیمت و استقامت کے ہراول دستے میں شامل ہوکر سیدہ خدیجہؓ کی قلبی اور روحانی مسرتوں میں بے پناہ اضافہ کیا:

۱۔ ام المومنین سیدہ خدیجہؓ (ہراول دستے کی سرخیل)
۲۔ اسماؓ بنت عمیس (جعفرؓ بن ابی طالب کی بیوی)
۳۔ صفیہؓ بنت عبدالمطلب (حضورؐ کی پھوپھی)
۴۔ اردیٰؓ بنت عبدالمطلب (حضورؐ کی پھوپھی)
۵۔ سہلہؓ بنت سہیل (ابوحذیفہؓ کی بیوی)
۶۔ اردیٰؓ بنت کریز (حضرت عثمانؓ کی والدہ)
۷۔ امیمہؓ بنت خلف (خالدؓ بن سعید کی بیوی)
۸۔ ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان (بعد میں ام المومنین کے شرف سے بہرہ ور ہوئیں
۹۔ اسماؓ بنت ابوبکرؓ (حضرت ابوبکرؓ کی لڑکی)
۱۰۔ ام رومانؓ (حضرت عائشہؓ کی والدہ)
۱۱۔ صعیہؓ بنت الحضرمی (حضرت طلحہؓ کی والدہ)
۱۲۔ شفاءؓ بنت عوف (حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف کی والدہ)
۱۳۔ رملہؓ بنت ابی عوف (مطلبؓ بن ازہر کی بیوی)
۱۴۔ فاطمہؓ بنت خطاب (حضرت عمرؓ کی بہن)
۱۵۔ لیلیٰؓ بنت ابی حشمہ (حضرت عامرؓ کی بیوی)
۱۶۔ فاطمہؓ بنت مجلل (حضرت حاطبؓ کی بیوی)
۱۷۔ ام سلمہؓ (ابو سلمہؓ کی بیوی، بعد میں ام المومنین کے شرف سے بہرہ ور ہوئیں)
۱۸۔ اسماؓ بنت سلامتہ (ابوجہل کے ماں جائے بھائی عیاشؓ بن ابی ربیعہ کی بیوی)
۱۹۔ ام کلثومؓ بنت سہیل (ابوجندلؓ کی بہن)

۲۰۔ سودہؓ بنت زمعہ (اپنے شوہر سکرانؓ کی وفات کے بعد ام المومنین کے شرف سے فیض یاب ہوئیں)

۲۱۔ ام ایمنؓ بنت ثعلبہ (حضورؐ کی دایہ)

۲۲۔ زنیرہؓ رومیہ (ایک آزاد کردہ لونڈی)

۲۳۔ حمامہؓ (حضرت بلالؓ کی والدہ)

۲۴۔ لبیبہؓ (موبل کی لونڈی)

۲۵۔ ام عبیسؓ (بنی زہرہ کی لونڈی)

۲۶۔ سمیہؓ (حضرت عمارؓ بن یاسر کی والدہ)

۲۷۔ فکیہہؓ بنت یسار (خطاب بن الحارث کی بیوی)

ان عظیم اور بلند مرتبہ خواتین کے علاوہ تحریک اسلامی کے اس ابتدائی دور میں سیدہ خدیجہؓ کے قبیلہ بنی اسد کے مندرجہ ذیل اشخاص بھی سعادت اندوز ایمان ہوئے۔

۱۔ زبیرؓ بن العوام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی)

۲۔ خالدؓ بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے)

۳۔ اسودؓ بن نوفل

۴۔ عمروؓ بن امیہ

قبیلہ بنی اسد کے مذکورہ بالا جیالوں کا مشرف بہ اسلام ہونا اس امر کا بین ثبوت ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی شخصیت اپنے خاندان اور قبیلے میں نہایت قابل احترام اور لائق اعتماد تھی۔ اس دور کے یہ نتائج اس امر پر گواہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی اور تبلیغی مساعی میں سیدہ خدیجہؓ کی ولولہ انگیز اور جان نثارانہ رفاقت و اعانت برابر شامل تھی۔

نبوت کے ابتدائی تین سال گزر جانے کے بعد حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوا:

"اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈراؤ۔" (شعراء)

سیدہؓ کے گھر پر قریبی عزیزوں کو دعوت ایمان

آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دعوت کا انتظام کرنے کے لئے کہا جس میں قبیلہ بنو ہاشم کے سبھی مردوں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ ابن اثیر اور بلاذری کی روایت کے مطابق اس میں ۴۵ افراد شریک ہوئے۔ دعوت کا یہ سارا انتظام سیدہ خدیجہؓ کے مکان ہی پر ہوا اور شرکا کی خاطر مدارات گوشت اور دودھ سے کی گئی جو اس دور کی سب سے اعلیٰ اور عمدہ خوراک تھی۔ کھانے سے فراغت کے بعد حضورؐ نے فرمایا:

"اے اولاد عبدالمطلب! اے عباس، اے صفیہ، اے فاطمہ! تم لوگ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ کیونکہ میں اللہ کی پکڑ سے تم کو بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا، البتہ میرے مال میں سے تم جو چاہو مانگ سکتے ہو۔ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کے لئے کافی ہے۔ یہ بھاری ذمے داری اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا؟"

حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا: "میں آشوب چشم کی تکلیف میں مبتلا ہوں اور میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میں سب سے کم عمر ہوں، تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔"

آپؐ کے چچا ابو طالب نے فرمایا:

"میں اپنا آبائی دین چھوڑنے کے لئے تیار نہیں مگر تمہیں جس کام کا حکم دیا گیا ہے، اسے انجام دو۔ خدا کی قسم! جب تک میری جان میں جان

ہے میں تمہاری اعانت اور حفاظت کرتا رہوں گا۔"

آپ کا ایک دوسرا چچا ابو لہب بولا:

"اے محمدؐ! میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو اپنے خاندان والوں پر اس سے زیادہ سخت آفت لایا ہو جو تم لے آئے ہو۔ اگر تم اس پر قائم رہے جو تم کہہ رہے ہو تو تمہارے خاندان کے لوگوں کا یہ حق ہے کہ وہ تمہیں روکیں اور تمہارا ہاتھ پکڑیں اس سے پہلے کہ قریش کے دوسرے خاندان ٹوٹ پڑیں اور عرب ان کی مدد کریں۔"

دعوت توحید کے خصوصی دور سے عمومی دور میں داخل ہونے کے پہلے ہی موقع پر اہل قریش کے اس دعوت کے متعلق مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آگئے۔ ابو لہب سرداران قریش اور روسائے مکہ کے اس بااثر اور صاحب طاقت جتھے کی نمائندگی کر رہا تھا جو خالص توحید ' رسالت اور آخرت کی دعوت کو اپنے آبائی مشرکانہ عقائد و رسوم پر ایک کاری ضرب تصور کرتا تھا اور وہ دیکھ رہا تھا کہ اس جاہلانہ نظام سے ان کے جو سیاسی ' تمدنی ' طبقاتی اور اقتصادی مفادات وابستہ ہیں ' ان کی ساری عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔ اس نے دعوت حق کا راستہ پوری قوت کے ساتھ روکنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

اہل ایمان پر ظلم و ستم کا دور

حق و باطل کی یہ کشمکش کچھ اس انداز سے شروع ہوئی کہ ایک طرف ظلم و جور اور جبر و تشدد کی وہ لرزہ خیز مثالیں قائم ہو گئیں جن کی نظیر تاریخ انسانی میں کم ہی ملیں گی اور دوسری طرف نشہ توحید کے متوالوں نے صبر و ضبط ' استقامت و عزیمت اور فداکاری و جاں سپاری کی وہ حیران کن اور حوصلہ افزا داستانیں تاریخ کے صفحات پر رقم کیں جو ہر دور کے بے بسوں '

بے کسوں اور بے نواؤں کو حوصلہ، قوت اور زندگی عطا کرتی رہیں گی۔

اہل باطل کے لئے سب سے اہم چیلنج

باطل پرستوں کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہادی عالم اور رہنمائے انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت پاکیزہ سیرت اور باوقار شخصیت تھی۔ آپؐ نے مخالفین کے سامنے برملا اعلان کیا:

"میں نے تمہارے اندر اس سے پہلے زندگی کا ایک حصہ گزارا ہے۔ پھر تم عقل سے کیوں کام نہیں لیتے؟"

آپؐ نے اپنے دعوے میں اپنی جو زندگی پیش کی، اس میں کاروباری، تجارتی، معاشرتی اور سیاسی مشاغل کے ساتھ ساتھ آپؐ کی نجی، خاندانی اور خانگی مصروفیات اور معاملات بھی شامل تھے۔ آپؐ کی خانگی اور گھریلو زندگی میں ذرا بھی ناہمواری ہوتی اور گھر کے معاملات میں ناسازگاری کی ذرا سی بھی رمق ہوتی تو مخالفین، جن میں آپؐ کے قریب ترین رشتے دار اور نزدیک ترین پڑوسی بھی شامل تھے، برملا کہتے:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پورے معاشرے، پورے ملک عرب بلکہ پوری دنیا کی اصلاح و ہدایت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہو، پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ اگر تم اپنے گھر کے چند آدمیوں کی اصلاح بھی نہیں کر سکے تو پوری دنیا کی بھلائی اور فلاح کے لیے کیا کر پاؤ گے؟"

روایات اور سیرت و تاریخ کا پورا ریکارڈ اس امر پر شاہد ہے کہ ذلیل سے ذلیل مخالف کو بھی مکے میں آپؐ کی خانگی اور ازدواجی زندگی کے کسی پہلو سے متعلق کوئی بات کہنے کی جرات نہ ہوئی ۔ یہ ام المومنین سیدہ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بے مثل اخلاقی عظمت و برتری، امور خانہ

داری میں بے پناہ مہارت اور تربیت اولاد کے سلسلے میں بے پایاں فراست و تدبر کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ دنیا کی اس عظیم ترین اسلامی تحریک کے قافلہ سالاروں پر اس عالی مرتبت ماں کا یہ ناقابل فراموش احسان ہے کہ انہوں نے اپنے ایثار و قربانی ' صدق و صفا' اطاعت وخدمت اور صبرو رضا کے طفیل انہیں ایک ایسا اسلحہ فراہم کردیا جس کے سامنے مخالفوں اور دشمنوں کے اسلحہ جات کے تمام انبار خانے ناکارہ ہو کر رہ گئے۔

مشرکین کی چیرہ دستیاں

مشرکانہ نظام کے سرپرستوں نے فداکاران اسلام کی تعذیب اور ایذا رسانی کے لیے جورو ستم اور ظلم و تشدد کی جو بھٹی دہکائی تھی اس کی حدت اور شدت روز بروز تیز سے تیز ہوتی چلی گئی۔ کمزوروں اور بے نواؤں کا تو ذکر ہی کیا' حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ جیسے بااثر اور باحیثیت اشخاص بھی مسلسل نشانہ ظلم و ستم بنتے رہے۔ حضرت خباب' حضرت بلال ' حضرت عمار' حضرت سمیہ' حضرت صہیب' حضرت ابو فکیہہ' حضرت لبینہ' حضرت نبیرہ' حضرت نہدیہ اور حضرت ام عبیس جیسے غلاموں اور کنیزوں کو جس بیدردی اور بے رحمی سے مارا پیٹا جاتا اور انہیں تکلیف اور دکھ پہنچانے کے لئے جو نئے نئے طریقے ایجاد کیے جاتے اور ان کے چیخنے ' بلبلانے اور تڑپنے پر ظالم جس طرح فرط مسرت سے قہقہے لگاتے اور رقص کرتے ' اس دردناک منظر پر زمین بھی کانپ اٹھتی ہوگی اور آسمان خون کے آنسو روتا ہوگا لیکن یہ بدبخت اور شقی انسان جن کے سینوں میں دل کے بجائے پتھر نے جگہ لے لی تھی' اپنی ان انسانیت سوز حرکات پر نازاں و فرحاں تھے۔

ہجرت حبشہ

مکے میں جہاں خدا کا سب سے پہلا گھر تھا' خدائے واحد کا نام لینا اور اس کی عبادت کے لیے اپنی جبین نیاز کو سجدہ ریز کرنا سخت مشکل تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ایمان و اسلام کے کچھ شیدائی حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے۔ مہاجرین کے اس پہلے قافلے میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ ان عورتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ خدیجہؓ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ بھی اپنے خاوند حضرت عثمانؓ کے ہمراہ تھیں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہؓ نے دعوت ایمانی کو سب سے پہلے قبول کر کے جو قابل تقلید روشن مثال قائم کی تھی ان کی نسبی اور روحانی بیٹیوں نے اس دعوت ایمانی اور تحریک اسلامی کے ابتدائی دور اور بعد کے ہر دور میں ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ثابت کر دیا کہ اللہ کے دین کی حمایت و نصرت کے معاملے میں وہ کسی طرح بھی مردوں سے پیچھے نہیں۔ دین و ایمان سے محبت رکھنے والوں کا یہ قافلہ ماہ رجب عام الفیل ۴۵ یعنی بعثت کے پانچویں سال مکے سے حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔ خدا کی تائید سے یہ لوگ بخیریت وہاں پہنچ گئے۔ قریش کو اللہ والوں کا یہ سکون و اطمینان کب گوارا تھا' چنانچہ ان کو واپس لانے کی تدبیریں ہونے لگیں مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور قریش کے مشرکین کا جوش غضب اور بھڑک اٹھا۔ خدائے بزرگ و برتر کا نام لینے والوں کے لیے مکے کی زمین اور تنگ ہو گئی۔ آخر کار اپنے عقیدے اور دین کی آزادی برقرار رکھنے کے لئے بلاکشان وفا کی ایک اور جماعت بعثت کے چھٹے سال کی ابتدا میں اپنے گھر بار' کاروبار اور عزیز و اقارب چھوڑ کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ قریش نے اس ہجرت کو روکنے کی پوری کوشش کی۔ نکلنے

والوں کو بہت تنگ کیا اور ان کے راستے میں سخت مشکلات پیدا کیں لیکن ابن سعد کی روایت کے مطابق ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ خدا کی راہ میں سب کچھ قربان کردینے والوں کے اس گروہ میں سیدہ خدیجہؓ کے قبیلے بنی اسد کے بھی چار بلند ہمت افراد شامل تھے۔

ہجرت حبشہ کے اثرات

اس ہجرت سے مکہ کے ہر گھر میں کہرام مچ گیا۔ قریش کا کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس کا چشم و چراغ ان جانے والوں میں شامل نہ ہو۔ کسی کا بیٹا گیا تو کسی کا داماد، کسی کی بیٹی گئی تو کسی کی بہن اور کسی کا بھائی ۔ سرداران قریش اور مشہور دشمنان اسلام کے جگر گوشے دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اس واقعے سے بعض لوگ تو حق دشمنی میں اور سخت ہوگئے اور بعض کے دلوں پر ایسا اثر ہوا کہ آخر کار وہ حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

بائیکاٹ کا فیصلہ

اہل قریش کی حمیت جاہلیت اس قدر برافروختہ ہوئی کہ انہوں نے ایک دستاویز تیار کی جس میں خدا کی قسم کھا کر یہ عہد کیا گیا کہ جب تک بنی ہاشم اور بنی مطلب، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے ان کے حوالے نہیں کرتے، اس وقت تک ان سے میل جول، بیاہ شادی، لین دین اور بول چال کا کوئی تعلق نہیں رکھا جائے گا۔ قریش کے تمام خاندانوں کے سربراہوں نے اس دستاویز پر دستخط کرکے اس کی توثیق کی ۔ موسیٰ بن عقبہ کے بیان کے مطابق جب حضرت ابوطالب کو معلوم ہوا کہ اہل قریش حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی جان کے درپے ہیں تو آپ نے دونوں خاندانوں کے افراد جمع کیے اور ان سے کہا کہ آپ سب لوگ شعب ابی طالب میں چلے جائیں اور آخر وقت تک محمدؐ کی حفاظت کریں' چنانچہ ابولہب کے سوا بنوہاشم اور بنو مطلب کے سارے مسلم اور غیر مسلم اشخاص گھاٹی میں جمع ہو گئے۔

قریش نے اپنی تیار کردہ متفقہ دستاویز نہایت محفوظ طریقے سے حرم شریف میں رکھ دی اور حضورؐ کے ساتھیوں کا مقاطعہ یا بائیکاٹ پوری شدت سے شروع کردیا۔ یہ ناکہ بندی اتنی کڑی تھی کہ کھانے پینے اور ضروریات زندگی کی کوئی چیز باہر سے گھاٹی میں نہ جاسکتی تھی۔ محاصرے کی اس بے پناہ سختی نے محصورین کے لیے نہایت پریشان کن اور ہولناک حالات پیدا کردیے۔ اس کا اندازہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے ہوسکتا ہے جسے علامہ سہیلی نے "روض الانف" میں درج کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑہ ہاتھ آگیا۔ میں نے اسے پانی سے دھویا اور آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا۔"

ناکہ بندی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اگر باہر سے مکے میں کوئی تجارتی قافلہ آتا تو قریش کے لوگ خوف کے مارے جلد جلد ان کا تمام سامان خرید لیتے تاکہ محصورین میں سے کوئی چیز نہ خرید سکے۔

ابن سعد اور بیہقی کی روایات کے مطابق محصورین کی زبوں حالی اور بے چارگی یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کے بچے بھوک سے روتے اور بلکتے اور ان کے رونے اور چیخنے کی آوازیں شعب ابی طالب سے باہر بھی سنائی دیتیں اور آس پاس کے پڑوسی بے چین اور مضطرب ہو جاتے لیکن کچھ سنگدل اور

بدبخت ایسے بھی تھے جو ان معصوم بچوں کی چیخ پکار سن کر خوشی کا اظہار کرتے۔

تنگی و عسرت، قید و بند اور فاقہ کشی کا یہ ہولناک دور موسیٰ بن عقبہ کے بیان کے مطابق تین سال جاری رہا۔۔۔

ام المومنین سیدہ خدیجہؓ نے ابتلا و آزمائش کا یہ سخت ترین دور بڑے صبر اور حوصلے سے گزارا، حق کی راہ میں آنے والی تمام تکلیفیں اور پریشانیاں خدا اور اس کے رسولؐ کی خاطر خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ مکے کی وہ خوشحال ترین خاتون جو معاشرے میں معزز و محترم ہونے کی وجہ سے "سیدہ" کے نام سے مشہور تھی، اپنے رفیق زندگی کے ساتھ پیکر تسلیم و رضا بنی ہوئی تھی اور اپنی فطری اور طبعی بلند حوصلگی سے گرفتاران مصیبت و اذیت کو دلاسا دینے اور ان کا حوصلہ بلند کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

بائیکاٹ کے خاتمے کی عجیب وجہ

آخر کار مظلوموں کی حد سے بڑھی ہوئی مظلومیت اور معصوم بچوں کی دلوں کو ہلا دینے والی بلبلاہٹ اپنا رنگ لا کر رہی۔ قریش کے وہ لوگ جن کے بنو ہاشم اور بنو مطلب سے رشتے داری کے تعلقات تھے، ان کی اس الم انگیز حالت زار پر خون کے آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکے۔ کچھ رحم دل اور انسان دوست افراد اس ظالمانہ معاہدے کو ختم کرنے کے بارے میں اپنی اپنی جگہ سوچنے لگے لیکن اظہار کی جرات نہ کر سکے۔ اس کارخیر میں سبقت کی سعادت ہشام بن عمرو العامری کے حصے میں آئی۔ اس نے حضرت ام سلمہ کے بھائی زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، بنو اسد کے سردار عاص بن ہاشم اور زمعہ بن الاسود کو اپنا ہمنوا بنایا اور اگلے روز یہ قریش کی مجلس میں آ گئے۔

زہیر بن ابی امیہ نے اہل مکہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

"اے اہل مکہ! کیا ہم کھائیں پئیں اور کپڑے پہنیں جبکہ بنی ہاشم ہلاک ہو رہے ہیں۔ ان سے کچھ خریدا جاتا ہے نہ ان کے ہاتھ کچھ فروخت کیا جاتا ہے۔ خدا کی قسم! میں ہرگز نہ بیٹھوں گا جب تک اس ظالمانہ مقاطعے کی دستاویز پھاڑ نہ دی جائے۔"

یہ سن کر ابوجہل چیختے ہوئے بولا تم نے جھوٹ کہا ہے' وہ ہرگز نہیں پھاڑی جائے گی۔ ابوجہل کی مخالفت میں آوازیں بلند ہونے لگیں۔ مجلس میں بحث و مباحثہ شروع ہو گیا۔

عین اس وقت جب شعب ابی طالب سے باہر قریش کی مجلس میں مقاطعے کی یہ دستاویز زیر بحث تھی' ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ ابن سعد' ابن ہشام اور بلاذری نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے اطلاع دی گئی کہ بائیکاٹ کی دستاویز میں ظلم و ستم اور قطع رحمی کا جو مضمون تھا' اسے دیمک چاٹ گئی ہے اور صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر اپنے چچا ابو طالب سے کیا۔ انہوں نے پوچھا: "کیا تمہیں اس کی خبر تمہارے خدا نے دی ہے؟" حضورؐ نے فرمایا: "ہاں!" حضرت ابو طالب نے اس بات کا ذکر اپنے بھائیوں کے سامنے کیا۔ انہوں نے پوچھا: "آپ کا کیا خیال ہے؟" ابو طالب نے کہا: "خدا کی قسم! محمدؐ نے مجھ سے کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کہی۔ ابوطالب نے حضورؐ سے دریافت کیا اب کیا کرنا چاہیے..... آپؐ نے فرمایا: "چچا! آپ عمدہ لباس پہن کر سرداران قریش کے پاس جائیں اور ان کو یہ بات بتائیں۔"

حضرت ابو طالب اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ اس مجلس میں پہنچے جہاں قریش کے دانا و بینا اس دستاویز کے معاملے پر غور و خوض کر رہے تھے۔ ابو طالب کو آتے دیکھ کر اہل مجلس نے خوشی کا اظہار کیا اور آمد کی وجہ پوچھی۔
ابو طالب نے حاضرین مجلس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:
"میرے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، مجھے خبر دی ہے کہ مقاطعے کی دستاویز میں جور و ستم اور قطع رحمی سے متعلق تمہاری تمام تحریر دیمک چاٹ گئی ہے اور صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے۔ اب تم وہ صحیفہ منگوا کر دیکھ لو۔ اگر میرے بھتیجے کا بیان غلط نکلا تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ پھر تمہیں اختیار ہے چاہے قتل کر دو اور چاہے زندہ رہنے دو لیکن اگر اس کی بات سچ نکلی تو ہمارے ساتھ اس بدسلوکی سے باز آجاؤ۔"

ابوطالب کی یہ بات سن کر حاضرین مجلس نے کہا آپ نے انصاف کی بات کہی ہے۔ دستاویز منگوا کر دیکھی گئی۔ وہی بات سچی نکلی جس کی خبر دی گئی تھی۔ اس پر قریش کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ انکے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ندامت اور شرم سے ان کی آنکھیں جھک گئیں۔

یہ کہہ کر ابو طالب تو گھاٹی کی طرف لوٹ آئے۔ مجلس میں ابوجہل اور اس جیسے ضدی آدمیوں پر ملامت کی بوچھاڑ شروع ہو گئی اور مقاطعے کے خاتمے کے حامی حضرات اسلحے سے لیس ہو کر شعب ابی طالب کی طرف گئے اور محصورین سے کہا کہ وہ اپنے گھروں میں جا کر آباد ہو جائیں۔ اس طرح ظلم و ستم اور جور و تعدی کا یہ تین سالہ طویل دور ختم ہوا۔

پے در پے صدمات

محاصرہ شعب ابی طالب کے ختم ہونے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کو قدرے سکون کا سانس لینے کا موقع ملا لیکن اس کی مدت بڑی مختصر ثابت ہوئی اور چند ہی روز میں پے در پے' قلب و روح کو پگھلا دینے والے صدمات کا کوہ گراں آپؐ پر ٹوٹ پڑا۔ یہ صدمات آپؐ کے شفیق' مہربان اور جاں نثار چچا ابو طالب کی رحلت اور آپؐ کی غمگسار' وفاشعار اور آپؐ کے قدموں پر اپنی جان اور اپنا مال نثار کردینے والی رفیقہ حیات حضرت سیدہ خدیجہؓ کی وفات حسرت آیات کی صورت میں پیش آئے۔

علالت و رحلت

مقاطعے کا خاتمہ ہوگیا ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کی صحت جواب دے گئی ۔ آپ سخت بیمار ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاج معالجے' خبرگیری اور دلجوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی مگر معین وقت آن پہنچا تھا۔ حکیم بن حزام کی روایت کے مطابق جسے علامہ بلاذری نے نقل کیا ہے' امت مسلمہ کی یہ شفیق و رحیم اور عظیم ماں داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے ۱۰ رمضان ۱۰ بعد بعثت کو اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

سیدہؓ کی سیرت

سیدہ خدیجہؓ جو فطری طور پر شرافت و نجابت اور پاکیزگی و طہارت کا مجسمہ تھیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۵ سالہ رفاقت نے ان کی خوبیوں اور محاسن کو اتنا مزکی و مصفی کردیا تھا کہ ان کی روشن اور درخشندہ سیرت قیامت تک پوری نوع انسانی کے لئے روشنی کا مینارہ بن گئی۔

حضورؐ کی حوصلہ افزائی

ام المومنین سیدہ خدیجہؓ نے عمر بھر مہر و اخلاص ' محبت و مروت ' پاک نفسی اور قوت ایمانی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرپور حمایت کی۔ مشکلات و آلام کا جب ہجوم ہوتا تو یہ خدیجہؓ ہی تھیں جو آپؐ کو تسلی دیتی رہتیں۔ جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اضطراب اور بے چینی کی کیفیت طاری ہوتی تو سیدہ خدیجہؓ اپنی محبت و خلوص میں ڈوبی ہوئی باتوں سے آپؐ کا غم غلط کرتی رہتیں۔ مرحومہ کی شخصیت آپؐ کے لیے بہت کچھ تھی ۔ سیدہ خدیجہؓ کی رفاقت اور قلبی تعلق اہم اور بڑے بڑے معاملات میں آپؐ کو ثابت قدم رکھتا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے محبت و ایمان کے نور سے چمکتے اور دمکتے چہرے پر نظر ڈالتے تو آپؐ کا دل شیر ہوجاتا۔ آخر کار اخلاص و وفا کی پیکر اس رفیقہ حیات نے آپ کو داغ مفارقت دے دیا۔

گھر سے باہر حضرت ابو طالب کی حمایت و اعانت اور گھر میں سیدہ مرحومہ کی غم گسارانہ رفاقت سے محرومی کے بعد آپؐ کے دعوتی کاموں کی راہ میں کتنی شدید مشکلات اور ناقابل عبور رکاوٹیں حائل ہوئیں ' اس کا تصور دل کو لرزا دینے اور ذہن کو ماؤف کردینے کے لیے کافی ہے۔ آپؐ اللہ کے رسولؐ تھے۔ خدا کی حفاظت اور اس کی تائید آپؐ کے شامل حال تھی ' اس لیے تحریک اسلامی کا یہ پرعزیمت کارواں آگے ہی بڑھتا رہا۔

فنائیت

سیدہ خدیجہؓ کی سیرت کا سب سے نمایاں اور اہم پہلو آپ کی وہ صفت ہے جسے "فنائیت" کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے اللہ اور اس

کے محبوب رسولؐ کی محبت میں اپنی ذات پوری طرح فنا کردی تھی۔ آپ مکے کی سب سے زیادہ دولت منداور باثروت خاتون تھیں لیکن شادی کے بعد آپ نے اپنی بے پناہ دولت اپنے عظیم ترین شوہر پر نچھاور کردی۔

سیدہ خدیجہؓ کی زندگی کے آخری سات سال نہایت نامساعد حالت میں گزرے۔ کاروبار کو وسعت اور ترقی دینا تو دور کی بات تھی، وہاں تو مخالفتوں اور مزاحمتوں کا طوفان اتنی شدت سے اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ اس میں اپنا وجود ہی قائم رکھنا بھی سخت مشکل تھا۔

سیدہ موصوفہ نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنی دولت بڑی فراخدلی سے صرف کی۔

اللہ کا دین قبول کرنے والوں کی اعانت و نصرت کے لیے سیدہؓ کے خزانوں کے منہ ہروقت کھلے رہتے۔ اسی ایثار اور فراخدانہ سخاوت کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کی وفات کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کی ضد اور ہٹ دھرمی سے مایوس ہو کر توحید کا پیغام حق پہنچانے کے لیے طائف تشریف لے گئے تو آپؐ نے یہ طویل سفر اپنے خادم زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ پیدل طے کیا۔ آپؐ کی اقتصادی حالت اتنی کمزور ہوچکی تھی کہ اس سفر کے لیے آپ کے پاس کوئی سواری نہ تھی۔

جنت میں مروارید کے محل کی بشارت

سیدہ خدیجہؓ کی اس پرخلوص فنائیت اور فدائیت نے انہیں اللہ کے ہاں محبوبیت ومقبولیت کے نہایت ارفع مقام پر فائز کردیا تھا۔ امام ۰ ریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے جس کا مضمون درج ذیل ہے:

"جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ خدیجہؓ ابھی ابھی ایک برتن میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر آپؐ کے پاس آئیں گی۔ آپؐ ان سے رب العلمین کا سلام کہہ دیجئے اور میرا سلام بھی ان کی خدمت میں پہنچا دیجئے۔ انہیں جنت کے ایک ایسے محل کی بشارت بھی دیجئے جو خالص مروارید سے تیار کیا ہوا ہوگا اور اس میں کسی قسم کا رنج و الم نہ ہوگا۔"

سیدہؓ سے حضورؐ کی محبت

حضورؐ کے ساتھ شادی کے وقت سیدہؓ چالیس برس کی تھیں اور بیوہ تھیں لیکن ان کی پسندیدہ شخصیت و سیرت، ان کے وفادارانہ طرز عمل اور ان کی دلنشین عادات و اطوار نے حضورؐ کے دل میں محبت و انسیت اور دلبستگی و وابستگی کا ایک ایسا لطیف اور گہرا نقش ثبت کردیا تھا کہ آپؐ نے ان کی موجودگی میں پوری ربع صدی تک کسی اور خاتون سے نکاح کا خیال تک نہ کیا، حالانکہ اس وقت کے معاشرے میں یہ بات بیوی کے لیے وجہ شکایت تھی نہ اس کے خاندان والوں کے لیے۔

سیدہؓ کی وفات کے بعد بھی ان کی یاد اور ان کی محبت کا یہ لافانی سلسلہ بدستور قائم رہا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کی رحلت کے بعد بڑی مدت تک حضورؐ کا یہ معمول رہا کہ گھر سے باہر جانے سے پہلے آپؐ سیدہ مرحومہ کا ذکر نہایت اچھے الفاظ میں کرتے۔ اسی طرح گھر میں تشریف لانے کے بعد بھی ان کی تعریف اور تحسین فرماتے۔ اسی طرح ایک دن آپؐ نے سیدہؓ کا ذکر کیا اور ان کی خوب تعریف کی۔ اس پر مجھے رشک آیا اور میں نے کہا:

"یا رسول اللہ! وہ ایک بڑھیا اور بیوہ خاتون تھیں۔ خدا نے ان کے بعد ان سے بہتر بیوی آپؐ کو عطا فرمادی۔"

الفاظ سن کر حضورؐ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہوگیا اور آپؐ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! مجھے خدیجہؓ سے اچھی بیوی نہیں ملی۔ وہ ایمان لائیں جب سب لوگ کافر تھے۔ انہوں نے میری تصدیق کی جب سب نے مجھے جھٹلایا۔ انہوں نے اپنا زرومال مجھ پر قربان کیا جب دوسروں نے مجھے محروم رکھا۔ اللہ نے ان کے بطن سے مجھے اولاد دی۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کی یہ کیفیت دیکھ کر میں ڈر گئی اور عرض کیا:" یا رسول اللہ! آئندہ میں خدیجہؓ کے متعلق کبھی ایسی ویسی بات نہیں کہوں گی۔"

سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ اسی والہانہ لگاؤ اور نسبت کی وجہ سے آپؐ ان کے رشتے داروں اور ان کی سہیلیوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے' چنانچہ جب بھی قربانی کرتے تو سب سے پہلے سیدہؓ کی سہیلیوں کو گوشت بھجواتے اور بعد میں کسی اور کو دیتے۔

علامہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی بوڑھی عورت حضورؐ سے ملنے آئی۔ آپؐ نے حسن اخلاق کے ساتھ بڑی نرمی سے پوچھا:" ہمارے بعد تمہارا کیا حال رہا؟"

جب وہ چلی گئی تو حضرت عائشہؓ نے عرض کی:" یہ بڑھیا کون تھی؟"

آپؐ نے فرمایا:" یہ خدیجہؓ کی سہیلی حسانہ تھی جسے خدیجہؓ سے محبت تھی۔"

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:" ایک مرتبہ سیدہ خدیجہؓ کی بہن ہالہ بنت خویلد آئیں اور انہوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز سن کر تڑپ گئے اور فرمانے لگے:" خدایا' یہ ہالہ ہوں۔" کیونکہ ان کی آواز سیدہ خدیجہؓ کی آواز سے مشابہہ محسوس ہوتی تھی۔

ابن سعد نے اپنی طبقات میں بیان کیا ہے کہ بدر کے قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بھی تھے۔ قیدیوں کے دوسرے رشتہ داروں کی طرح حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے زرفدیہ بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جو سیدہ خدیجہؓ نے اپنی بیٹی کی شادی کے موقع پر جہیز میں دیا تھا۔

اس ہار کو دیکھ کر حضورؐ پر رقت طاری ہو گئی اور آنکھیں اشکبار۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا:

"بہتر ہے زینبؓ کا قیدی فدیے کے بغیر ہی چھوڑ دیا جائے۔"

صحابہ کرامؓ نے' جو اپنے آقا و مولا کی ہر خواہش کا احترام اور ان کی ہر ارشاد کی تعمیل کو باعث سعادت سمجھتے تھے' ابوالعاص کو کسی فدیے کے بغیر صرف اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ مکے جا کر حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیجدیں گے۔

مومنوں کی ماں سیدہ طاہرہ خدیجہؓ کے کردار کا ایک نمایاں جوہر ان کی بلند ہمتی اور عالی حوصلگی تھی۔ ان کی سیرت کے اس بلند اور باوقار وصف نے ان میں ہمت و جرات اور عزیمت و استقامت کی بے پناہ قوت اور ناقابل تسخیر طاقت پیدا کر دی تھی۔ آپ نے مصیبت و پریشانی اور ابتلا و

آزمائش کے سخت سے سخت دور میں صبر و ثبات کا خود بھی ثبوت دیا اور اپنے رفیق زندگی سرور کونین صلی اللہ علیہ و سلم کا بھی حوصلہ بڑھا کر حق رفاقت ادا کیا۔ اس کی شہادت جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و سلم کی زبان مبارک سے سنیے۔

آپؐ فرمایا کرتے تھے:

"میں جب کفار سے کوئی بات سنتا اور وہ مجھ کو ناگوار معلوم ہوتی تو میں خدیجہؓ سے کہتا۔ وہ میری ڈھارس اس طرح بندھاتیں کہ میرے دل کو تسکین ہو جاتی۔ اور کوئی رنج ایسا نہ تھا جو خدیجہؓ کی باتوں سے آسان اور ہلکا نہ ہو جاتا ہو۔"

اولاد کی اعلیٰ تربیت

سیدہ خدیجہؓ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ ان کی قوتوں اور صلاحیتوں اور ان کے اطوار و عادات میں حد درجہ اعتدال اور حسین توازن اپنے درجہ کمال تک پہنچا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی اولاد کی پرورش اور تربیت اس حکیمانہ فراست و تدبر سے کی کہ وہ پوری امت کی بیٹیوں کی طرف سے خراج عقیدت اور سلام ارادت کی مستحق بن گئیں۔

اپنی اولاد کے علاوہ زیر تربیت افراد کے ساتھ بھی شفقت و محبت کا وہ سلوک روا رکھا جس سے سیدہ خدیجہؓ کی ذات کا احترام اور ان کے مسلک و مشن سے والہانہ لگاؤ ان کی زندگی کا نصب العین بن گیا۔ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدنا زیدؓ بن حارثہ سیدہ موصوفہؓ کے زیر تربیت رہے' ان دونوں ہستیوں نے اسلام کی سربلندی میں وہ کارنامے انجام دیے جو اسلامی تاریخ کا ایک زریں باب بن گئے۔

سیدہ خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے تین بیٹے تھے.... ہالہ' طاہر اور ہند - یہ سیدہؓ کے حسن تربیت کا نتیجہ تھا کہ یہ تینوں بھائی حلقہ اسلام میں داخل ہو کر شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے۔ ہندؓ جن کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت عشق و فریفتگی کی بلند ترین منزل پر پہنچ چکی تھی' نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتیں بڑے سلیقے سے اللہ کے محبوبؐ کی تعریف و توصیف میں استعمال کیں۔ ہندؓ کے بیان کردہ شمائل نبوی سیرت کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں۔ان کے ایک ایک لفظ سے فصاحت و بلاغت کی خوبیوں کے ساتھ محبت و شیفتگی کے لطیف اور منور جذبات چھلکتے صاف نظر آتے ہیں۔ انسانی تاریخ میں سوتیلے باپ کے ساتھ والہانہ فریفتگی اور وابستگی کی ایسی مثالیں کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہ ثمرہ تھا سیدہؓ کی متوازن اور موثر شخصیت کا۔

حضورؐ سے سیدہؓ کی اولاد

تمام قدیم سیرت نگار مثلاً" ابن اسحاق ' ابن ہشام ' طبری'ابن سعد' کلبی' ابن عبدالبراور علامہ ابن حزم اس امر پر متفق ہیں کہ سیدہ خدیجہؓ کے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں دو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں جن کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ قاسم ' ۲۔ زینبؓ ' ۳۔ رقیہؓ ' ۴۔ ام کلثومؓ ' ۵۔ فاطمہؓ ' ۶۔ عبداللہ۔

اس سلسلے میں قرآن مجید کا بیان درج ذیل ہے:

"اے نبی! اپنی بیویوں ' بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہو۔" (سورہ احزاب آیت۵۹)

قرآن پاک کی یہ آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ حضورؐ کی ایک بیٹی نہیں بلکہ دو سے زیادہ تھیں، کیونکہ عربی زبان میں دو کے لیے تثنیہ کا صیغہ موجود ہے اور قرآن نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

قاسم اور عبداللہ عہد طفولیت ہی میں اپنے ماں باپ کو داغ مفارقت دے گئے۔ آپؐ کی بیٹیوں کے متعلق اجمالی طور پر اس امر کا مطالعہ کیا جائے گا کہ سیدہؓ کی تعلیم و تربیت نے ان کی فطری خوبیوں کو کس طرح سنوارا اور انہیں کس طرح جلا بخشی۔

حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق حضرت زینبؓ کی ولادت مکے میں اس وقت ہوئی۔ جب حضورؐ کی عمر مبارک ۳۰ سال تھی۔ عہد جاہلیت ہی میں ان کی شادی ان کے خالہ زاد ابوالعاص بن ربیع سے ہوئی ۔ آفتاب نبوت کے طلوع ہوتے ہی فوراً ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوئیں۔ ابوالعاص بدستور اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ اختلاف دین کے باوجود دونوں میاں بیوی کی یگانگت اور محبت مثالی تھی ۔ جنگ بدر کے بعد ان کے شوہر ابوالعاص نے حسب وعدہ ان کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی ۔ جب ان کے دیور کنانہ بن ربیع ان کو مدینہ کی طرف لے کر چلے تو کفار نے مزاحمت کی اور ایک بدبخت کے نیزے کی ضرب سے آپ اونٹ سے گر پڑیں۔ سخت چوٹ آئی۔ وہ حاملہ تھیں اور حمل ساقط ہوگیا۔ اسی تکلیف کی حالت میں آپ اپنے پیارے باپ کے پاس مدینے پہنچیں۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"زینب میری بیٹیوں میں افضل ہے۔ میری وجہ سے اسے تکلیف پہنچی۔"

ابوالعاص پر سیدہ زینبؓ کی جدائی نہایت شاق گزری۔ ہر وقت مغموم اور بے چین رہنے لگے۔ ان کے دو اشعار کا ترجمہ ذیل میں درج ہے:

"مجھے زینب یاد آئی تو میں نے کہا حرم کا ہر باشندہ خوش و خرم اور سرسبز و شاداب ہے۔

زینب! تو امین کی بیٹی ہے۔ اللہ اسے جزا دے' وہ تو نہایت ہی نیک اور پارسا ہے۔

اور ایک شوہر اپنی ایسی بیوی کی تعریف ہی کرے گا جو ایسے اعلیٰ اوصاف کی حامل ہو جنہیں میں خوب جانتا ہوں۔"

ابو العاص ایک سلیم الفطرت اور کاروباری معاملات میں نہایت ہی سچے اور کھرے آدمی تھے۔ آخر کار محرم ۷ھ میں مشرف بہ اسلام ہو کر بارگاہ نبوی میں مدینہ منورہ پہنچے۔ حضورؐ نے پانچ سال کی مفارقت کے بعد سیدہ زینبؓ کو ابوالعاص کے گھر بھیج دیا۔

ہجرت کے وقت جو جسمانی صدمہ سیدہؓ کو برداشت کرنا پڑا تھا' اس کے اثرات جان لیوا ثابت ہوئے اور ۸ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔

سیدہ زینبؓ کی پاکیزہ اور باحیا سیرت کے متعلق ان کے شوہر کی شہادت سے بڑھ کر اور کونسی شہادت ہو سکتی ہے۔

سیدہ رقیہؓ کی پیدائش کے وقت حضورؐ کی عمر ۳۳ سال تھی۔ کم سنی ہی میں ان کی شادی ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہو گئی تھی۔ اعلان نبوت کے بعد ابولہب نے حق دشمنی میں مغلوب الغضب ہو کر اپنے بیٹے کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو طلاق دینے پر مجبور کیا' چنانچہ رخصتی سے قبل ہی طلاق ہو گئی۔ اس کے بعد آپ کی شادی سیدنا عثمانؓ بن عفانؓ سے ہوئی۔ مکے میں

جب کفار کی ایذا رسانیاں انتہا کو پہنچ گئیں تو سیدنا عثمانؓ اپنی بیوی رقیہؓ کے ساتھ اس قافلے میں شامل ہوگئے جو ہجرت کر کے حبشہ کی طرف جا رہا تھا۔ جب حضورؐ کو اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا:

"حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی بیوی کے ہمراہ ہجرت کی ہے۔"

خاصا عرصہ حبشہ میں قیام کے بعد حضرت عثمانؓ کو یہ خبر ملی کہ حضورؐ مدینے کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں تو وہ سیدہ رقیہؓ کے ساتھ مکے ہوتے ہوئے مدینے پہنچے۔

۲ھ میں سیدہ رقیہ کو چیچک نکلی اور اسی مرض میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ عین اس وقت جب آپ کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی، حضرت زیدؓ بن حارثہ، بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری لے کر مدینے پہنچے۔

سیدہ رقیہؓ اور سیدنا عثمانؓ میں باہم بے حد محبت تھی۔ ان کے تعلقات اتنے اچھے، خوش گوار اور مثالی تھے کہ ان کے متعلق یہ بات ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئی تھی:

"رقیہؓ اور عثمانؓ سے بہتر میاں بیوی کسی انسان نے نہیں دیکھے۔"

(سچ ہے کسی خاتون کی عظمت کا اندازہ اس کی گھریلو زندگی ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔)

سیدہ ام کلثومؓ بعثت سے تقریباً پانچ سال قبل مکے میں پیدا ہوئیں۔ چھوٹی عمر میں ان کا نکاح بھی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا لیکن رخصتی سے پہلے ہی طلاق ہوگئی۔ جب ۲ھ میں سیدہ رقیہؓ کا انتقال ہوگیا تو

حضرت عثمانؓ کو سخت صدمہ ہوا۔ حضورؐ نے سیدہ ام کلثومؓ کی شادی ان سے کردی اور نکاح کے وقت سیدنا عثمانؓ سے فرمایا:

" خداوند تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعے مجھے حکم بھیجا ہے کہ اپنی بیٹی ام کلثومؓ کو اسی حق مہر پر جو رقیہ کا تھا، تمہارے نکاح میں دے دوں۔"

سیدہ ام کلثومؓ اس نکاح کے بعد چھ سال زندہ رہیں اور انہوں نے شعبان ۹ھ میں وفات پائی۔

حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ جس وقت سیدہؓ کی میت قبر میں اتاری گئی تو حضورؐ قبر کے پاس تشریف فرما تھے اور آپؐ کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔

سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کے سال ولادت کے متعلق روایات میں اختلاف ہے لیکن اکثر مورخین کے نزدیک "الاستیعاب" کی یہ روایت قابل قبول ہے کہ آپ بعثت سے ایک سال قبل پیدا ہوئیں۔ آپ شروع ہی سے نہایت ذہین و فطین اور سنجیدہ تھیں۔ آپ حضورؐ اور سیدہ خدیجہؓ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں، اس لیے سب سے زیادہ لاڈلی تھیں۔

غزوہ بدر کے بعد ۲ھ میں آپ کی شادی سیدنا علیؓ سے ہوئی۔ آپ کی سیرت و اخلاق اور عادات و خصائل کی عکاسی کے لیے ذیل میں ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔ بخاری، مسلم اور ترمذی میں ہے کہ ایک دن حضرت علیؓ نے ابن عبدالواحد سے فرمایا: "کیا تجھے میں فاطمہ بنت رسولؐ کی بات بتاؤں جو سارے کنبے میں حضورؐ کو سب سے زیادہ پیاری تھیں؟"

ابن عبدالواحد نے کہا "ہاں!" حضرت علیؓ نے فرمایا:

" فاطمہ نے اتنی چکی پیسی کہ ہاتھوں میں نشان پڑ گئے۔ پانی کے لیے

مشک اٹھائی کہ گردن پر نشانات آگئے۔ گھر میں جھاڑو دی کہ سب کپڑے میلے ہوگئے۔ انھی دنوں حضورؐ کے پاس کچھ خادم آئے۔ میں نے فاطمہؓ سے کہا کہ تم اپنے ابا جان کے پاس جاؤ اور ایک خادم مانگ کر لے آؤ۔ فاطمہؓ گئیں مگر کثرت ہجوم کے باعث مل نہ سکیں۔ اگلے روز حضورؐ خود تشریف لائے اور پوچھا کیا ضرورت تھی۔ فاطمہؓ چپ ہو رہیں۔ میں نے مدعا بیان کیا۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے فاطمہ! تقویٰ اختیار کرو۔ اپنے رب کے فرائض ادا کرو۔ اپنے گھر کا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے کو اپنا دستور بنا لو اور جب رات کو بستر پر لیٹو تو ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۴ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔"

یہ سن کر حضرت فاطمہؓ نے فرمایا:

"میں اسی حال پر اللہ اور اس کے رسولؐ سے خوش ہوں۔"

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ کو خادمہ نہ دی۔ اس روایت سے جہاں حضرت علیؓ کے گھر کی معاشی بدحالی اور سیدہ فاطمہؓ کا زہد و ریاضت اور تسلیم و رضا کی راسخ کیفیت سامنے آتی ہے وہیں حضورؐ کی اپنے لیے اور اپنے اہل و عیال کے لیے دنیا کے مال اور دولت و سامان آسائش سے بے نیازی کی حکمت عملی بھی واضح ہوتی ہے۔

سیدہ فاطمہؓ اپنے پیارے ابا جان کے وصال کے ۶ ماہ بعد ہی سب سے پہلے اعلیٰ علیین میں ان سے جا ملیں۔

باب نمبر۲

پر آشوب ' صبر سوز اور دلدوز حالات میں ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل کر کے آپؐ کے دکھ اور غم کا بوجھ ہلکا کرنے والی خدا کی برگزیدہ اور بلند کردار بندی

ام المومنین سیدہ سودہؓ بنت زمعہ

خولہؓ۔ ”یارسول اللہ، خدیجہؓ کی وفات کے بعد میں آپ کو ہر وقت مغموم اور ملول پاتی ہوں۔“

حضورؐ۔ ”ہاں، خدیجہؓ ایک غمگسار اور وفاشعار رفیقہ حیات تھی۔ گھر کے انتظام، بچیوں کی دیکھ بھال اور ان کی تربیت کی ذمے داری اسی کے سپرد تھی۔ اس کے دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد فرائض رسالت کی یکسوئی سے ادائیگی کا کام سخت مشکل ہوگیا ہے۔“

خولہؓ۔ ”پھر تو آپ کو ایک ایسی رفیقہ زندگی کی ضرورت ہے جو سمجھ دار بھی ہو سلیقہ شعار بھی۔ عالی حوصلہ بھی ہو اور غم خوار بھی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سلسلے میں کوشش کروں۔“

حضورؐ۔ ”ہاں ٹھیک ہے۔ ایک خاتون ہی ایسے معاملات کو خوش اسلوبی سے طے کرسکتی ہے۔

حضرت خولہؓ (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانثار صحابیہ اور حضرت عثمانؓ بن مظعون کی اہلیہ تھیں) اپنے آقا و مولا کی اجازت سے اپنے

مقصد کے حصول کی جدوجہد میں سرگرم ہو جاتی ہیں۔ ان کی پرخلوص کوششوں کے نتیجے میں جس خوش قسمت اور عالی مرتبت خاتون کو اللہ کے محبوب ترین رسولؐ اور دنیا کے عظیم ترین انسان کی رفاقت، اس کی دلجوئی، اس کے گھر کو اپنے سلیقے اور قرینے سے جنت کا نمونہ بنانے اور اس کی کم سن بچیوں پر شبنم جیسی صاف و شفاف مادرانہ محبت نچھاور کرنے کی سعادت حاصل ہوئی وہ سیدہ سودہؓ بنت زمعہ تھیں۔ عالم انسانیت پر اس بلند حوصلہ اور سراپا جرات و ایثار خاتون کا یہ عدیم المثال اور ناقابل فراموش احسان ہے کہ جب دنیائے انسانیت کا محسن اعظم اپنے پشتیبان چچا حضرت ابو طالب اور اپنے گھر کی پیکر مہرو وفا ملکہ سیدہ خدیجہؓ کی جدائی کے جانگسل اور روح سوز صدمات سے چور چور ہو چکا تھا اور جب اسے بے سہارا پا کر حق و صداقت کے دشمنوں نے اس کی ذات بابرکت کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے، اس پر کھلم کھلا دست درازیاں کرنے اور اس کے گھر تک کو غیر محفوظ بنا دینے میں اخلاق و شرافت اور عربی معاشرے کی مسلمہ روایات کو بڑی بے دردی اور سفاکی سے اپنے پاؤں تلے روند ڈالا تھا اور جب معبودان باطل کے پرستاروں نے اپنی کمینگی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس پر عرصہ حیات اتنا تنگ کر دیا تھا کہ اس کے لئے اپنے گھر سے باہر نکلنا دشوار ہو گیا تھا، ان پر آشوب، صبر سوز اور دلدوز حالات میں خدا کی اس برگزیدہ اور بلند کردار بندی نے اس ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل کر کے اس کے دکھ اور غم کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کی، اس کے حوصلے اور اس کے عزم میں ایک نئی قوت ابھارنے اور اس کے اصلی مشن کی تکمیل کی جدوجہد میں اس کا سہارا بننے کی تدابیر اختیار کیں۔

خاندانی حالات

حضرت سودہؓ کا تعلق قریش کے ایک معزز خاندان عامر بن لوی سے تھا۔ والد کا نام زمعہ تھا۔ علامہ ابن سعد اور دوسرے سیرت نگاروں نے آپ کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

سودہؓ بنت زمعہ بن قیس بن عبدالشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔

والدہ کا نام شموس تھا۔ حضرت سودہؓ کے نانا "قیس" حضورؐ کے پردادا ہاشم کی بیوی سلمٰی کے بھائی تھے جن کا تعلق یثرب کے قبیلہ بنو نجار سے تھا۔ اس طرح حضورؐ کی اور حضرت سودہؓ کی ننھیال ایک ہی بنتی ہے۔

ان کی شادی دور جاہلیت میں ہی ان کے چچا زاد سکرانؓ بن عمرو سے ہو گئی تھی۔

قبول اسلام

حضرت سودہؓ اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے ایک صالح، حق پسند اور دور اندیش خاتون تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جونہی غار حرا سے آفتاب ہدایت شرک و کفر کی ظلمتوں کو زائل کرنے کے لئے طلوع ہوا تو جن خوش بخت اور سلیم الفطرت انسانوں نے اس کی نورانی شعاعوں سے اپنے دلوں کی دنیا کو منور کیا ان میں حضرت سودہؓ بھی شامل تھیں۔ چنانچہ سیرت نگاروں نے دعوت توحید کے پہلے تین سالہ دور میں اس پر لبیک کہنے والے جرات منداور حق پسند ۱۳۳ اشخاص کی جو فہرست مرتب کی ہے، اس میں آپ کا اسم گرامی بھی نمایاں طور پر شامل ہے۔ اس سے آپ کے مزاج، آپ کی طبیعت اور

آپ کی فطرت کی وہ خصوصیت کھل کر سامنے آجاتی ہے جس کی بدولت تحریک اسلامی کی تاریخ میں آپ کو ایک بلند اور ممتاز مقام حاصل ہوا۔ اس دور کی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ آپ اپنے قبیلے بنی لوی میں سب سے پہلے ایمان لائیں۔ پھر آپ کی کوششوں سے آپ کے خاوند اور آپ کے میکے اور سسرال کے خاندانوں کے دوسرے افراد بھی اس دولت بے بہا سے بہرہ ور ہوئے۔ ان کے نام تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں جو یہ ہیں:

(۱) حضرت عبداللہؓ بن سہیل بن عمرو (حضرت سودہؓ کے دیور کے بیٹے)
(۲) حضرت حاطبؓ بن عمرو (آپؓ کے دیور)
(۳) حضرت سلیطؓ بن عمرو (آپؓ کے دیور)
(۴) حضرت فاطمہؓ بنت علقمہ (آپؓ کی دیورانی اور حضرت سلیط کی بیوی)
(۵) حضرت مالکؓ بن زمعہ (آپؓ کے بھائی)
(۶) حضرت ابو سبرہؓ بن ابی رہم (حضورؐ کی پھوپھی برہ کے صاحبزادے)
(۷) سکرانؓ بن عمرو (آپؓ کے شوہر)

تحریک اسلامی میں آپ کی شمولیت کی اہمیت

خدا کے آخری رسولؐ کی دعوت کے پہلے دور میں اللہ کے پیغام حق و صداقت کو اپنے سینے سے لگانے والے افراد کے حالات کا بغائر جائزہ لینے کے بعد یہ بات کوئی راز نہیں رہتی کہ ان میں اکثریت ایسے نوجوانوں کی تھی جن کی عمریں ۱۱ سال سے لے کر ۲۵ سال تک تھیں۔ نوعمر جوانوں کا ایک نئی انقلابی تحریک کے ساتھ والہانہ اور پرعزم رشتہ قائم کرنا ایک فطری امر تھا کیونکہ یہی وہ عمر ہے جب حوصلے بلند اور ہمتیں جواں ہوتی ہیں۔ اس دور

میں جذبات گرم اور متحرک ہوتے ہیں اور کچھ کرگزرنے اور جمے ہوئے نظام کو اکھاڑ پھینکنے کا ولولہ انگڑائیاں لیتا ہے۔ اس لئے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی عہد ساز تحریک کے ساتھ نوجوانوں کی وابستگی کوئی تعجب انگیز بات نہ تھی لیکن مخالفین نے اسی بات کو اپنے حق میں ایک حربے کے طور پر استعمال کیا اور اپنے مخالفانہ پراپیگنڈے میں اس دلیل سے جان پیدا کرنے کی کوشش کی کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت اور آپ کے پیغام میں کوئی معقولیت ہوئی تو معاشرے کے سمجھ دار، سنجیدہ اور سربرآوردہ افراد جو پختہ عمر کے لوگ ہیں ضرور اس طرف متوجہ ہوتے اور اس کی حقانیت کی تصدیق کرتے۔ لیکن حضرت سودہؓ (جن کی عمر اس وقت چالیس سال سے زیادہ تھی) جیسی متین، بردبار اور بیدار مغز شخصیات کی طرف سے اس دعوت حق کی قبولیت نے ان کے معاندانہ اور زہریلے پروپیگنڈے کے غباروں کی ہوا نکال کر رکھ دی۔ اور وہ لوگ جو کسی مشن اور کسی تحریک کی اہمیت اور موزونیت کا اندازہ صرف اس سے وابستہ شخصیات کی ذہنی، معاشرتی اور اخلاقی حیثیت سے لگانے کے عادی ہوتے ہیں ان کے لئے اس کے متعلق سوچنے اور غورو فکر کرنے کی راہیں کھل گئیں۔

ہجرت حبشہ

مکہ معظمہ کو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے امن و سلامتی کا شہر قرار دیا تھا۔ اب اسی شہر کی سرزمین حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تعلیمات اور ان کے بیان کردہ عقیدے اور نظریے کو حرز جان بنا لینے والوں کے لئے تنگ ہو چکی تھی۔ ظلم و ستم کی دنیا میں وہ کونسی صورت ممکن تھی جو ان بادہ توحید کے متوالوں کے لئے روا نہ رکھی گئی ہو۔ یہاں ان کی عزت محفوظ تھی نہ ان

کی جائیں ان کے لئے یہاں اپنے ایمان پر قائم رہنا اور خدائے برحق کی بندگی اور عبادت کے مراسم بجالانا ناممکن بنا دیا گیا۔ آخر کار ایمان و اسلام کی تحریک کے قائد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو اپنا وطن چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرجانے کی اجازت مرحمت فرمادی چنانچہ نبوت کے پانچویں سال اپنے اصولوں کی خاطر دنیا کا ہر مفاد اور عیش و عشرت کا ہر سامان قربان کردینے کا فولادی عزم رکھنے والے گیارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل ایک دستہ حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس سے اگلے سال یعنی ۶ نبوت مطابق ۶۱۵ء میں اٹھارہ عورتیں اور ۸۲ مرد مشرکین کی مزاحمت و مخالفت کے باوجود اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ ان اولوالعزم اور عالی ہمت سرفروشوں میں سیدہ سودہؓ بھی تھیں۔ جس طرح سیدہؓ اپنے قبیلے میں اسلام کی تبلیغ و تعلیم کے ذریعے اس کے کچھ افراد کو اپنا ہم نوا اور اپنا ہم مسلک بنانے میں کامیاب ہوئی تھیں۔ اسی طرح اس تحریک ہجرت میں قبیلے کے سربرآوردہ لوگوں کی سخت مزاحمت اور رکاوٹ کے باوجود اپنا ہم سفر بنانے میں کامیاب ہوگئیں۔ ان عہد ساز عالی حوصلہ اشخاص کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت سکرانؓ بن عمرو (سیدہ سودہؓ کے شوہر)

(۲) حضرت ابو سبرہؓ بن ابی رہم (حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی)

(۳) ان کی بیوی ام کلثومؓ (سیدہ سودہؓ کے دیور سہیل کی بیٹی)

(۴) حضرت عبداللہؓ بن سہیل بن عمرو (سیدہؓ کے دیور کا بیٹا)

(۵) حضرت سلیطؓ بن عمرو (سیدہؓ کا دیور)

(۶) حضرت ابو حاطبؓ بن عمرو (سیدہ کا دیور)

(۷) حضرت مالکؓ بن زمعہ (سیدہؓ کا بھائی)

(۸) ان کی بیوی عمیرہ بنت السعدی (سیدہؓ کی بھابھی)

مذکورہ بالا فہرست سے واضح ہوتا ہے کہ سیدہ سودہؓ کی ذات اور شخصیت اپنے خاندان اور اپنے قبیلے میں کتنی معزز، موثر اور قابل اعتماد تھی۔ جس بات کو انہوں نے حق سمجھا اسے اپنی فطرت کی سلامت کی وجہ سے صرف خود ہی قبول نہیں کیا بلکہ صلہ رحمی کے پاکیزہ اور فطری جذبے سے سرشار ہوکر اپنے قریب ترین عزیزوں کو بھی حق کی اس نعمت بے بدل سے مالامال کرنے کی حکیمانہ کوشش کی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب ہوئیں۔

ہجرت کے اثرات

ہجرت حبشہ کا یہ واقعہ بظاہر معمولی قرار دیا جاسکتا ہے کہ چند افراد اپنے اہل وطن کے جوروستم سے تنگ آکر اپنے ایمان اور دین کی حفاظت کی خاطر دیار غیر میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ اگر معاملہ کسی جامد مذہب کے چند عقائد پر نزاع کا ہوتا تو صورت حال واقعی غیر اہم اور بالکل سادہ تھی۔ لیکن محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس عقیدہ توحید اور جس دین حق کی طرف صرف اپنی قوم کو ہی نہیں بلکہ جملہ نوع انسانی کو پوری جرات و بے باکی سے دعوت دے رہے تھے وہ ایک ایسا نظریہ تھا جس میں زندگی کے تمام شعبوں میں انقلاب انگیز تبدیلیاں لانے کی کامل ترین صلاحیت تھی اور جو زندگی کے پورے نقشے کو جاہلانہ اور مشرکانہ نظام کی آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک صاف کرکے حق و انصاف، حریت فکر اور مساوات انسانی کے جاذب قلب و نظر خوشنما رنگوں سے مزین کرنے کا داعی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم نظام کے علمبردار جن کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی مفادات اسی نظام سے وابستہ تھے، اس نئی اصلاحی دعوت اور انقلابی تحریک کا راستہ روکنے کے لئے خم ٹھونک کر

میدان میں آگئے۔ لیکن ہجرت حبشہ کے اس واقعہ نے ان کو ایک ایسی نفسیاتی اور اخلاقی شکست سے دوچار کردیا جس کے اثرات کا ازالہ ان کے بس میں نہ رہا۔ اس کی اجمالی کیفیت درج ذیل ہے:

ا۔ قریش کا کوئی مشرک سردار ایسا نہ تھا جس کا بیٹا یا بیٹی، بہن یا بھائی یا کوئی اور قریب ترین عزیز اسے جدائی کا صدمہ نہ دے گیا ہو۔ اس صدمے اور غم نے جہاں ان مغرور سرداروں کے دلوں کی دنیا کو حزن و ملال کی حوصلہ شکن کیفیت سے دوچار کیا وہیں وہ احساس شکست کی شدت سے ذہنی طور پر ہل کر رہ گئے۔ انہیں صاف نظر آنے لگا کہ ان کی تمام ڈینگیں اور تمام شیخیاں بے وقعت ثابت ہوئیں۔ ان کی قیادت و سیادت کی چٹانیں ریزہ ریزہ ہوگئیں۔ مثلاً "سیدہ سودہؓ کے قبیلے بنی لوی میں سہیل بن عمرو ایک ممتاز سردار تھا۔ حق کی دشمنی میں بڑا تیز و طرار۔ ویسے بھی قدرت نے اسے وجیہہ اور باوقار شخصیت سے نوازا تھا۔ خطابت اور شعلہ بیانی اس کا فطری جوہر تھا۔ اور اس کی یہ شعلہ بیانی اللہ کے دین اور اس کے رسولؐ کے خلاف بے محابا استعمال ہوتی تھی۔ لیکن اس ہجرت میں اس کی بیٹی بھی گئی، اس کا بیٹا بھی گیا۔ اس کے بھائی بھی گئے اور اس کی بھاوج بھی گئی۔ اس حادثے سے اس شعلہ نوا خطیب کی شخصیت پر کیسے اعصاب شکن اثرات مرتب ہوئے ہوں گے، اس کا اندازہ کسی حد تک وہی شخص کرسکتا ہے جسے کبھی اس قسم کی ذلت آمیز شکست کی رسوائی برداشت کرنا پڑی ہو۔

۲۔ نظام شرک و کفر کے قائدین نے اپنی متکبرانہ روش سے مکہ کی فضا کچھ ایسی بنا دی تھی کہ اب ان کے لئے اپنے دل کا درد بیان کرنے اور اسے اپنے ہم نفسوں کے سامنے ظاہر کرکے کسی حد تک ہلکا کردینے کی بھی کوئی

صورت باقی نہ رہی تھی۔ قدرت کی طرف سے ان کے تمرد، گھمنڈ اور سرکشی کی یہ سزا مقدر ہوگئی تھی کہ وہ اب اس غم اور دکھ میں اندر ہی اندر گھلتے رہیں۔

۳۔ عرب معاشرے کا نظام خاندانی اور قبائلی عصبیت پر قائم تھا' اس لئے اس میں صلہ رحمی کی بڑی اہمیت تھی۔ اور صلہ رحمی کا یہی جذبہ افراد کے جان و مال کے تحفظ اور ان کی عزت و وقار کا ضامن تھا۔ اب اس واقعہ ہجرت نے جس میں مختلف قبائل کے سو سے زیادہ مرد و زن اپنوں ہی کی ستم رانیوں سے عاجز ہو کر جلاوطنی پر مجبور ہوئے تھے' سرداران قریش کے قلب و روح پر اس حقیقی خطرے کی ہولناکیاں اجاگر کردیں کہ اب پورے ملک عرب میں ان پر سماج کی مسلمہ روایات پامال کرنے اور اپنے ہی جگر کے ٹکڑوں کو بے گھر کر کے قطع رحمی کرنے کے الزامات اتنی شدت سے عائد ہوں گے کہ ان کی اخلاقی ساکھ بری طرح مجروح ہو کر رہ جائے گی۔

۴۔ اپنی ضد و انانیت کے نشے میں اندھے ہو جانے والوں کو یہ بات بھی نظر آنے لگی تھی کہ ان کی قساوت قلبی کی داستانیں اور صلہ رحمی کے مقدس رشتوں کو تار تار کرنے کی حکایتیں اپنے ملک اور اپنے براعظم سے نکل کر دوسرے ملک اور دوسرے براعظم تک پہنچ جائیں گی جس سے ان کی بین الاقوامی ساکھ اور تجارت بری طرح متاثر ہوگی۔ مکے کے تاجر کاروبار کے سلسلے میں اکثر حبشہ جاتے رہتے تھے۔ یہ تھے وہ اسباب جن کی بنا پر یہ اعدائے اسلام سر جوڑ کر بیٹھنے پر مجبور ہوئے۔ حبشہ جانے والوں کی واپسی کے لئے غور و خوض ہوا۔ آخر کار فیصلہ ہوا کہ ایک سفارت قیمتی تحائف کے ساتھ شاہ حبشہ کے پاس بھیجی جائے اور اسے کسی نہ کسی طرح اس بات پر

آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے ملک میں پناہ لینے والوں کو سفیروں کے حوالے کر دے۔

اس سفارت نے بادشاہ اور درباریوں کو ان پناہ گزین مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کے لئے کیا کیا حربے استعمال کئے ان پر کیا کیا الزامات لگائے۔ بادشاہ کے بھرے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ نے ان الزامات کی تردید اور فلاح انسانیت کی نئی تعمیری تحریک کی ترجمانی کس بے باکی سے کی اور اس کے جو مسحور کن اثرات سامنے آئے۔ اور یہ سفارت ناکامی اور خواری سے ہم کنار ہوئی، اس کی تفصیل ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کے حالات میں پیش کی جائے گی کیونکہ وہی مقام اس کے لئے سب سے موزوں ہے۔ سیرت و تاریخ میں اس واقعہ کا سب سے اہم ماخذ انہی کی بیان کردہ مفصل اور مربوط روایت ہے۔

حبشہ سے واپسی

وہ اہل ایمان جو حضورؐ کی اجازت سے حبشہ ہجرت کر گئے تھے، ان میں کچھ تو حضرت جعفرؓ کے ساتھ وہیں مقیم رہے اور غزوہ خیبر کے موقع پر مدینہ منورہ پہنچے۔ لیکن ان کی کثیر تعداد کچھ عرصہ بعد مکے واپس آ گئی۔ علامہ ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق جسے ابن ہشام نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے، ان واپس آنے والوں میں سیدہ سودہؓ اوران کے قبیلے کے تمام مہاجرین شامل تھے۔

بیوگی کی مصیبت

حبشہ سے واپس آنے کے کچھ عرصہ بعد حضرت سکرانؓ بن عمرو کا انتقال

ہوگیا۔ موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ ان کا انتقال حبشہ میں ہوگیا تھا۔ لیکن واقدی اور ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق انہوں نے اپنے آبائی شہر مکہ میں ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔ اورسیدہ سودہؓ پر اپنے ہم مسلک رفیق حیات کی موت سے رنج و محن کا ایک کوہ گراں ٹوٹ پڑا۔

عام الحزن

نبوت کے دسویں سال رمضان کے مہینے میں جب ام المومنین حضرت خدیجہؓ اپنی عارضی زندگی کی مہلت پوری کرکے اپنے رب رحیم کی آغوش رحمت میں محو استراحت ہوگئیں تو اللہ کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا پورا انظام درہم برہم ہوگیا۔ دو چھوٹی بچیاں تھیں جن کی دیکھ بھال کرنے والا گھر میں کوئی نہیں تھا۔ سیدہ خدیجہؓ کے انتقال پرملال سے چند روز پہلے حضرت ابوطالب جیسے شفیق اور مخلص سرپرست بھی آپ کو داغ مفارقت دے گئے تھے۔ ان پے درپے صدمات نے آپؐ کی دعوتی اور تبلیغی سرگرمیوں کو ایک حد تک مسدود کرکے رکھ دیا۔ اس صورت حال سے آپؐ دل گرفتہ بھی تھے اور رنجیدہ بھی۔ مغموم بھی تھے اور پریشان بھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے اس سال کو عام الحزن کا نام دیا یعنی غم کا سال۔ اس غم کے سال کی کیفیت کا اندازہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اجمال کے ساتھ ان حالات پر بھی نظرڈالی جائے جن سے اس وقت داعی اسلام کو واسطہ پڑ رہا تھا۔

آپؐ نبوت کے منصب پر فائز ہوئے۔ تین سال تک آپؐ نے اپنی تبلیغی مساعی نہایت خاموشی سے خفیہ انداز میں انجام دیں۔ جب چوتھے سال دعوت عام کا سلسلہ شروع ہوا تو چاروں طرف سے مخالفت کے طوفان امڈ پڑے۔ دعوت قبول کرنے والوں پر مکہ کی زمین تنگ ہوگئی جس کی وجہ سے

ان میں سے اکثر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ ان تمام سختیوں اور مظالم کے باوجود حضرت ابو طالب کی سرپرستی کی وجہ سے کسی بڑے سے بڑے مخالف کو بھی آپؐ پر دست درازی کی جرات نہ ہوئی۔ حضرت ابو طالب کے اس دنیا سے اٹھ جانے کے بعد یہ بند ٹوٹ گیا۔ اب تک جو سرکش اور متکبر ایک طرح سے بزدل بنے ہوئے تھے' ایک دم شیر ہو گئے۔ انہوں نے آپؐ کی توہین اور تذلیل کی وہ بد ترین مثالیں قائم کیں جسے دیکھ کر انسانیت و شرافت دم بخود ہو گئی۔ چند مثالیں پیش ہیں:

۱۔ ابن اسحاق نے عروہؓ بن زبیرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک روز قریش کے ایک اوباش نے سربازار حضورؐ کے سر مبارک پر مٹی ڈال دی آپؐ اسی حالت میں گھر تشریف لے گئے۔ آپؐ کی ایک صاحبزادی سر دھوتی جاتی تھی اور روتی جاتی تھی۔ اور آپؐ اسے تسلی دینے کے لئے فرماتے جاتے تھے "بیٹی رو نہیں' اللہ تیرے باپ کا حامی و ناصر ہے۔"

۲۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں عبداللہؓ بن مسعود کی ایک روایت بیان کی ہے جس میں وہ بتاتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور قریش کے سردار اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابو جہل نے کہا تم میں کون ہے جو جاکر فلاں شخص کے گھر سے ایک دن پہلے ذبح کی ہوئی اونٹنی کی اوجھ اور خون میں لتھڑی بچہ دانی اٹھا لائے اور اس شخص کی پیٹھ پر سجدے کی حالت میں رکھ دے۔ اس پر عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور یہ گندگی لاکر اس نے سجدے کی حالت میں حضورؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دی۔ اس بوجھ کی وجہ سے آپؐ سجدے سے سر نہ اٹھا سکے۔ قریش کے بدبخت لوگ یہ منظر دیکھ کر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوئے

جارہے تھے۔ اتنے میں کسی نے جاکر آپؐ کے گھر یہ خبر پہنچادی۔ حضرت فاطمہؓ یہ سن کر دوڑی ہوئی آئیں اور گندگی کا یہ انبار اپنے ننھے منے ہاتھوں سے آپؐ کے اوپر سے کھینچ کر پرے پھینکا۔

۳ ۔ طبقات ابن سعد میں آپؐ کے پڑوسیوں کے نام درج ہیں۔ ان میں ابوجہل ' ابولہب ' ولید بن مغیرہ ' نضر بن حارث ' عاص بن سعد اور عقبہ بن ابی معیط کے نام بھی شامل ہیں۔ یہ آپ کے رشتہ دار بھی تھے اور قریب ترین پڑوسی بھی۔ ان کی دشمنی کی انتہا ہوگئی تھی۔ وہ آپؐ کو ستانے اور تکلیف پہنچانے کی خاطر اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ اور ذبح شدہ بکریوں اور بھیڑوں کے اوجھ آپؐ کے گھر کے صحن میں پھینک دیتے تھے۔ خاص طور پر اس موقع پر جب آپؐ نماز میں مشغول ہوتے یا کھانا تیار کیا جارہا ہوتا۔ علامہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق آپ ان اوجھوں کو کسی ڈنڈے پر اٹھا کر باہر لاتے اور باآواز بلند اپنے پڑوسیوں کو مخاطب کرکے فرماتے:

"اے بنی عبدمناف 'کیا پڑوس کا یہی حق ہے؟"

اس کے بعد اس نجاست کو باہر پھینک دیتے۔

الغرض اس صورت حال کے پیش نظر آپؐ نے نماز اور عبادت کے لئے اپنے گھر کا ایک کمرہ مخصوص کرلیا تھا۔

یہ تو گھر کی حالت تھی لیکن جب آپؐ باہر تشریف لاتے تو آپؐ کے ساتھ ان بدقماشوں کا کیا سلوک ہوتا اس کی اجمالی روداد علامہ شبلی کی زبانی سنیئے:

"یہ دشمنان دین آپ کی راہ میں کانٹے بچھاتے۔ آپ نماز پڑھتے تو یہ ہنسی اڑاتے۔ سجدے میں آپ کی گردن پر اوجھڑی لاکر ڈال دیتے۔ گلے میں

چادر ڈال کر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑجاتیں۔ شریر لڑکے غول بنا کر آپؐ کے پیچھے پیچھے چلتے اور آپؐ پر آوازیں کستے۔" غرضیکہ شروفساد کے ان علمبرداروں نے اللہ کے اس محبوب نبیؐ اور انسانوں کے سب سے بڑے خیر خواہ کے لئے گھر میں امن و سکون کی کوئی صورت باقی رہنے دی تھی اور نہ ہی گھر سے باہر۔ ان تمام چیرہ دستیوں سے ان کا مقصد صرف یہی تھا کہ آپؐ کو خدا کے پیغام کی تبلیغ سے کلی طور پر روک دیا جائے۔

مکے کی سرزمین کو اس دعوت کے لئے سنگلاخ پاکر آپؐ نے باہر کے قبائل کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کا پروگرام بنایا' چنانچہ آپؐ اپنے خادم حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ پاپیادہ طائف شہر پہنچے جو مکہ سے پچاس میل دور بجانب مشرق واقع ہے۔ آپؐ نے بنوثقیف کے سرداروں تک اپنی دعوت پہنچائی سب نے اسے غرور بھرے انداز میں ٹھکرادیا۔ آپؐ نے عام لوگوں کو پیغام رحمت سنانے کی کوشش کی مگر سرداروں نے آپؐ کو شہر سے نکل جانے کا حکم دیا اور اس مقصد کے لئے آپؐ کے پیچھے آوارہ لڑکوں کو لگادیا جنھوں نے پوری بے دردی سے آپؐ پر پتھر برسائے اور آپؐ کے ٹخنوں کو نشانہ بنا کر اپنی سنگباری کے فن کا مظاہرہ کیا۔ اس طرح تقریباً" تین میل تک آپؐ کا تعاقب کیا گیا۔ آپ کی نعلین مبارک خون سے بھر گئیں شہر سے باہر آکر آپ نے عتبہ اور شیبہ کے باغ میں انگور کی ایک بیل کے سائے میں پناہ لی۔ یہ دن آپؐ کے عہد رسالت کا سب سے سخت اور کٹھن دن تھا۔ لوگوں کی ناسمجھی اور ان کی اس متمردانہ روش کے انجام کی ہولناکی کے تصور سے آپؐ کا دل بھر آیا۔ آپؐ نے اس وقت اپنے رب سے جو فریاد کی ہے وہ اس عام الحزن کے حالات اور آپ کی پیغمبرانہ عزیمت کی مکمل عکاس ہے۔ اس لئے

ہم اس کا کچھ حصہ نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ آپؐ عرض کرتے ہیں:

"الٰہی! اپنی بے بسی، بے سروسامانی اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے قدری کی تجھ ہی سے فریاد کرتا ہوں۔ اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے، تو ہی درماندہ عاجزوں کا مالک ہے۔ میرا مالک بھی تو ہی ہے۔ آخر تو مجھے کس کے حوالے کرنے والا ہے؟ بیگانہ ترش رو کے یا اس دشمن کے جسے میرے معاملے پر قابو ہو؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی مصیبت کی کچھ پروا نہیں کیونکہ تیری حفاظت و عافیت میرے لئے بہت وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جس سے تمام اندھیرے اجالے بن جاتے ہیں دنیا و آخرت کے تمام کام سنور جاتے ہیں۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے۔ نیکی کرنے اور بدی سے محفوظ رہنے کی طاقت تیری طرف سے ہی ملتی ہے۔"

نکاح کا پیغام

یہ تھے وہ کٹھن اور صبر آزما حالات جن میں حضرت خولہؓ سودہؓ کے لئے حضورؐ کی طرف سے نکاح کا پیغام لے کر سیدہ کے پدر بزرگوار "زمعہ" کے پاس پہنچتی ہیں۔ ان سے گفتگو کچھ اس طرح ہوتی ہے:

خولہؓ (زمعہ سے) "آپ کی صبح بخیر ہو۔"

زمعہ۔ "تمہارے لئے بھی خیرو برکت اور سلامتی کی دعا ہے۔ ہاں کیسے آنا ہوا؟"

خولہؓ۔ "میں آپ کے پاس آپ کی بیٹی سودہؓ کے لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے نکاح کا پیغام لے کر آئی ہوں۔"

زمعہ۔ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ذاتی طور پر بھی شریف ہیں اور خاندانی لحاظ سے بھی نجیب ہیں۔"

خولہؓ۔ "پھر کیا خیال ہے؟"

زمعہ۔ "مجھے تو کوئی اعتراض نہیں لیکن سودہؓ کی رائے بھی معلوم کرلیں۔"

حضرت خولہؓ' سیدہ سودہؓ کے پاس آتی ہیں اور انہیں حضورؐ کا پیغام پہنچاتی ہیں۔

سودہؓ اس وقت بیوہ تھیں۔ عمر پچاس سال سے تجاوز کرچکی تھی۔ بیوگی کے باوجود میکے اور سسرال کے خاندانوں کی حفاظت و حمایت حاصل تھی۔ خدا نے سکرانؓ کی صلب سے انہیں ایک بیٹا عطا کیا تھا جو اب جوانی کی منزل میں داخل ہوچکا تھا۔ پیغام نکاح پر غوروخوض کی انہیں مکمل آزادی تھی۔ پیغام دینے والے کے معاشی اور معاشرتی حالات پوری طرح ان کے سامنے تھے۔ بظاہر اس پیغام میں ان کے لئے مادی شان و شوکت اور دنیاوی عیش و راحت کی کوئی نوید نہ تھی۔ اس پیغام کو قبول کرنے کا مطلب اپنے آپ کو آلام ومصائب اور مظالم و شدائد کے طوفانی تھپیڑوں کے حوالے کردینے کے مترادف تھا' لیکن سیدہ موصوفہ اس وقت روحانی بالیدگی و لطافت اور اخلاقی عظمت و جلالت کے اس بلند مقام پر فائز تھیں جہاں سے دنیا کی تمام رنگینیاں اور اس کی جملہ دلفریبیاں بے وقعت نظر آتی ہیں۔ انہوں نے اللہ اور رسولؐ کے ساتھ اپنی فدائیت اور دین حق کی سربلندی کے بلند و ارفع مشن کے ساتھ اپنی والہانہ فنائیت کا ثبوت دیتے ہوئے کہا:

"میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی ہوں۔ وہ میرے

ہادی بھی ہیں اور میرے رہنما بھی۔ میری ذات کے متعلق انہیں کلی اختیار ہے۔ وہ جو چاہیں فیصلہ فرمائیں:

سیدہ سودہؓ کا اللہ کے رسولؐ کی رفاقت و خدمت کے لئے یہ بے لوث اور مخلصانہ سپردگی نتیجہ تھی ان کے ایمان باللہ اور حب رسولؐ میں پر عزم استقامت کا جس نے ان کے سیرت و کردار میں ایک توازن اور ایک اعتدال پیدا کردیا تھا اور ساتھ ہی ان میں نوع انسانی کے لئے بھلائی، خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات موجزن کردیئے تھے۔

ان اسباب و محرکات کے علاوہ اس خواب کی یاد بھی ان کے دل و دماغ کی دنیا پر کارفرما تھی جو چند سال قبل دکھائی دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ

"وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی ہیں کہ آسمان پھٹا اور چاند ان پر آگرا۔ یہ خواب انہوں نے اپنے شوہر حضرت سکرانؓ سے بیان کیا۔ انہوں نے اس کی تعبیر بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

"میں عنقریب مرجاؤں گا۔ اور تم عرب کے چاند محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آجاؤ گی۔"

تقریب نکاح

الغرض تمام معاملات طے ہوجانے کے بعد اس نکاح کے لئے تاریخ اور وقت کا تعین ہوگیا۔ وقت مقررہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زمعہ کے گھر تشریف لے گئے۔ زمعہ نے اپنی لخت جگر کا نکاح چار سو درہم مہر کے بدلے آپؐ سے کردیا۔ اس تقریب میں سیدہ سودہؓ کے سابق شوہر کے دو بھائی حضرت سلیطؓ بن عمرو اور حضرت حاطبؓ بن عمرو بھی شریک ہوئے۔ سیدہؓ کے ایک بھائی جن کا نام عبداللہ تھا وہ مکے سے باہر تھے اور ابھی حالت کفر میں

تھے، جب گھر واپس آئے تو اس نکاح کی خبر پاکر اس پر افسوس کا اظہار کیا اور علامت کے طور پر اپنے سر پر خاک ڈال لی۔ حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد وہ اپنی اس حرکت پر ہمیشہ اپنے آپ کو ملامت کیا کرتے تھے۔

نکاح کی یہ تقریب بعض روایات کے مطابق رمضان ۱۰ بعثت میں اور بعض دوسری روایات کے مطابق شوال ۱۰ بعثت میں منعقد ہوئی۔ دوسری بات ہی زیادہ صحیح ہے۔

ابولہب کی حمایت

"عام الحزن" کی ہم نے یہ چند جھلکیاں پیش کی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سال کے خاتمے کے ساتھ ان نامساعد حالات کے دور کا خاتمہ ہوگیا۔ بلکہ یہ ابتلاء و آزمائش کا سلسلہ بدستور چلتا رہا۔ حضورؐ کی یہ پریشان کن حالت دیکھ کر ایک دفعہ آپؐ کے چچا ابولہب کی غیرت قرابت جوش میں آئی اور اس نے آپؐ کی سرپرستی اور حمایت کا اعلان بھی کیا جس کی وجہ سے آپؐ کے چند دن قدرے سکون سے بسر ہوئے لیکن دوسرے معاندین کی انگیخت سے پھر رشتہ داری کی عصبیت پر اس کی جاہلانہ عصبیت غالب آگئی۔

یہ شدائد و مصائب کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ آپؐ کے قتل کا منصوبہ تیار ہوگیا مگر آپؐ نصرت خداوندی کے سہارے ان سب منصوبہ سازوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر اپنے رفیق خاص حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ مکے سے نکل کر مدینے بخیریت پہنچ گئے۔

ام المومنین سیدہ سودہؓ کی بلند ہمتی

ام المومنین سیدہ سودہؓ نے یہ تین سال کا عرصہ مکے میں جس صبر و تحمل، جس وقار و متانت اور جس عزیمت و استقامت سے گزارا اور اپنے آقا اور ہادی کی مخلصانہ رفاقت اور جانثارانہ خدمت کا جو مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس اعزاز میں کوئی اور خاتون ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ حضورؐ کے مدینے تشریف لے جانے کے بعد تقریباً چھ ماہ تک انہوں نے ہی حضورؐ کی بچیوں کی سرپرستی، دیکھ بھال اور حفاظت کی سخت اور کٹھن ذمے داریاں پوری جانفشانی اور خوش اسلوبی سے ادا کیں۔

مدینے میں آمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے تو حضرت ابوایوب انصاریؓ کو آپؐ کی میزبانی کا فقید المثال شرف حاصل ہوا۔ آپؐ تقریباً سات ماہ انہی کے ہاں قیام پذیر رہے۔ اسی دوران آپ نے مسجد کی تعمیر کے علاوہ اس کے ساتھ ہی دو حجرے تیار کرائے۔ ایک ام المومنین حضرت سودہؓ کے لئے اور دوسرا حضرت عائشہؓ کے لئے جن سے آپؐ کا نکاح ہو چکا تھا مگر ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

رمضان ۱ھ میں آپ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ اور ابورافعؓ کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ دے کر مکے کی طرف بھیجا تاکہ وہ وہاں سے آپؐ کے گھر والوں کو لے کر آئیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی یہ ڈیوٹی پوری ہوشمندی سے ادا کی اور چند دن بعد درج ذیل شخصیات کو اپنے ساتھ لے کر آگئے:

(۱) ام المومنین حضرت سودہؓ

(۲) حضرت ام کلثومؓ (حضورؐ کی صاحبزادی)

(۳) حضرت فاطمہؓ (حضورؐ کی صاحبزادی)

(۴) ام ایمنؓ (حضرت زیدؓ کی بیوی)

(۵) حضرت اسامہؓ (زیدؓ کے صاحبزادے)

سیدہ کا حجرہ

مدینہ منورہ میں رہائش کے لئے سیدہ کو جو مکان ملا وہ صرف ان کا ہی مسکن نہ تھا بلکہ وہ کاشانہ نبوت بھی تھا۔ اس کی شان بھی نرالی تھی۔ علامہ ابن سعد کی مہیا کردہ تفصیلات کے مطابق یہ ایک حجرہ تھا جس کی دیواریں کچی اور چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔ اس کی لمبائی پندرہ فٹ اور چوڑائی دس فٹ اور اونچائی اتنی تھی کہ کھڑا آدمی اپنے ہاتھ سے چھو سکتا تھا۔ اس کے دروازے پر کواڑ کی بجائے کالے بالوں والے کپڑے کا پردہ پڑا ہوتا تھا۔ یہ مختصر سا کچا حجرہ موجودہ دور کی اصطلاح میں ایوان صدر بھی تھا جو زبان حال سے پوری نوع انسانی کے سامنے اعلان کررہا تھا کہ بندگان خدا کی تعلیم و تربیت، ان کے نفوس کے تزکیے، ان کے اخلاق و کردار کی تعمیر اور انسانی معاشرے کی اصلاح و فلاح کی خدمت کا عظیم کام دنیاوی سازو سامان کی فراوانی، عالی شان عمارتوں اور آنکھوں کو خیرہ کردینے والے فرنیچر کے بل بوتے پر نہیں بلکہ سادگی و پاکیزگی، صبرو قناعت، تحمل، بے لوثی و بے نفسی، تعلق باللہ اور ابنائے جنس کی ہمدردی و دلسوزی جیسے اعلیٰ روحانی و اخلاقی اوصاف کے بل بوتے پر ہی انجام دیا جاسکتا ہے۔

تبدیلی حال

مکے میں ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ سودہؓ کا گھر شہروالوں کے

غیظ و غضب اور نفرت و حقارت کا محور تھا۔ لیکن مدینے میں اب ان کا یہ گھر بستی والوں کی عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز تھا۔ ان کی نگاہیں اس کی طرف اس انداز میں اٹھتی تھیں گویا وہ یہاں سے فیض اور اس نور ہدایت کی طلب گار ہیں جس سے ان کی دنیا بھی سنور سکتی ہے اور آخرت بھی۔

عسرت کا دور

عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز و محور ہونے کے باوجود اس گھر میں تنگی و عسرت اور فقر و درویشی کی فرمانروائی تھی۔ اس کی وجہ ظاہر تھی کہ واقعہ ہجرت نے مکے سے آنے والے مسلمانوں اور خود حضورؐ کی اقتصادی حالت کو بری طرح نڈھال کر کے رکھ دیا تھا۔ دوسرے مہاجرین تو یہاں آکر حصول معاش کی جدوجہد میں کسی حد تک سرگرم ہوگئے لیکن رہبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی، تربیتی اور انتظامی ذمے داریاں اتنی عظیم، اتنی ہمہ گیر اور اتنی ہمہ پہلو تھیں کہ حصول معاش کے لئے وقت نکالنا ناممکن ہوگیا تھا۔ مدینے کے انصار اس صورت حال سے پوری طرح باخبر تھے۔ گو اقتصادی لحاظ سے وہ بھی زیادہ خوشحال اور فارغ البال نہ تھے کیونکہ ان کا گزارہ بھی صرف کاشتکاری پر تھا۔ پھر بھی انہوں نے جذبہ ایثار سے کام لے کر اپنے نخلستان میں کچھ درخت اپنے محبوب آقاؐ کی ضروریات کے لئے وقف کردیئے۔ ساتھ ہی کچھ دودھ دینے والی اونٹنیاں اور بکریاں بھی آپؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کردیں۔ چنانچہ مدینے کی نوزائیدہ اسلامی اور فلاحی مملکت کے سربراہ اور اس کے گھر والوں کا زیادہ تر گزارہ کھجوروں اور دودھ پر تھا۔ لذیذ، چٹ پٹے اور مرغن کھانوں کی یہاں گنجائش تھی اور نہ ان کے وسائل لیکن ام المومنین سیدہ سودہؓ کے مومنانہ کردار کی ہی یہ عظمت تھی کہ اس تنگی، فاقہ

مستی اور عسرت کے باوجود انہوں نے کاشانہ نبوت کو باہمی محبت و الفت اور
باہمی تعاون و خیر خواہی کا روح پرور اور پر بہار گہوارہ بنائے رکھا۔

صاحبزادیوں سے مامتا بھرا سلوک

ایک خاتون کے لئے عام طور پر اپنی سوتیلی اولاد سے رحمت و شفقت کا
سلوک کرنا سخت مشکل ہوتا ہے۔ اس رشتے کی خاصیت ہی کچھ ایسی ہوتی ہے
کہ دونوں طرف دلوں کی گہرائیوں سے نفرت و حقارت اور شکوک و شبہات
کے سوتے پھوٹتے رہتے ہیں۔ لیکن ام المومنین سیدہ سودہؓ کی سیرت کا یہ
نہایت ہی روشن اور تابناک پہلو ہے کہ انہوں نے اپنی عقیدتوں کی مرکزی
شخصیت کی بچیوں سے وہ قابل رشک مشفقانہ سلوک کیا جس نے عالم
انسانیت میں ایک منارہ نور کی حیثیت حاصل کرلی۔ آپ جب حرم نبوی میں
داخل ہوئیں تو حضورؐ کی دو بچیاں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ ایسی
تھیں جو اپنی ماں کی شفقت و مرحمت سے محروم ہوگئیں تھیں۔ لیکن سیدہؓ
نے پوری فراخدلی سے انہیں حقیقی ماں کی طرح پیار بھی دیا اور شفقت بھی
دی۔ اور ایک مشفقہ مربیہ کی حیثیت سے ان کی تربیت بھی کی اور دیکھ بھال
بھی۔ حضرت فاطمہؓ کی ۲ ھ میں حضرت علیؓ سے اور حضرت ام کلثومؓ کی ۳ ھ
میں حضرت عثمانؓ سے شادی ہوئی۔ اس طرح یہ صاحبزادیاں کم و بیش پانچ چھ
سال کے طویل عرصہ تک حضرت سودہؓ کی زیر نگرانی رہیں لیکن پورے ذخیرہ
روایات میں ایک مستند روایت بھی ایسی نہیں ملتی جو ان کی باہمی شکر رنجی اور
باہمی تلخی کی ہلکی سے ہلکی بھی نشاندہی کرتی ہو۔ یہ حضورؐ کی ژرف نگاہی،
سیدہ کی ضبط نفس کی مستقل صلاحیت اور صاحبزادیوں کی کامل سعادت مندی
کا بین ثبوت ہے۔

یوم الفرقان اور سیدہؓ

سترہ رمضان ۲ ھ کو حق و باطل کے مابین پہلا معرکہ بدر کے میدان میں بپا ہوا۔ قرآن نے اسے یوم الفرقان کا نام دیا ہے کیونکہ اس دن حق کے مقابلے میں دوسری تمام عصبیتیں مغلوب ہوگئیں۔ حق کی خاطر بیٹا باپ کے اور بھائی بھائی کے مقابلے میں صف آرا ہوگیا۔ ام المومنین حضرت سودہؓ کے قبیلے کو بھی یہی صورت پیش آئی۔ اس قبیلے کے کچھ افراد شوق شہادت سے سرشار اہل حق کی صف میں شامل ہوکر داد شجاعت دے رہے تھے تو کچھ ایسے بھی تھے جو لات اور ہبل کی جے پکارتے ہوئے مقابل صف کی طرف سے اپنی جوانمردی کے جوہر دکھا رہے تھے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے:

"اہل ایمان کی صف میں"

(۱) حضرت ابو سبرہؓ بن ابی رہم (قدیم الاسلام تھے ہجرت حبشہ میں شامل تھے)

(۲) حضرت عبداللہ بن مخزمہ

(۳) عبداللہ بن سہیل — ہجرت حبشہ میں شریک تھے۔ واپسی پر باپ نے اتنا ظلم کیا کہ بظاہر اسلام سے منحرف ہوگئے۔ کافروں کے ساتھ مکے سے بدر پہنچے' یہاں آکر اسلامی فوج میں شامل ہوگئے۔

(۴) عمیرؓ بن عوف — سہیل کے آزاد کردہ غلام

کفار کے لشکر میں شامل ہوکر قتل ہونے والے

(۱) معاویہ بن عامر

(۲) معبد بن وہب

مسلمانوں کے ہاتھ قید ہونے والے

(۱) سہیل بن عمرو (خطیب قریش ' سیدہ کا چچا زاد اور قبیلے کا سردار

(۲) عبد بن زمعہ (سیدہؓ کا بھائی)

(۳) عبدالرحمٰن بن مشنوء

قریش کے قیدی اور ام المومنین کا فی البدیہ تبصرہ

اس معرکے میں قریش کے ستر افراد گرفتار ہوئے جس میں بڑے نامور سردار بھی تھے اور حق پرستوں پر ظلم و ستم ڈھانے والے بڑے سرکش ' مغرور اور خود پسند صاحب جاہ افراد بھی۔ انہی میں ام المومنین سیدہ سودہؓ کے چچا زاد اور خطیب قریش سہیل بن عمرو بھی تھے۔ اسے دیکھتے ہی ام المومنین کے ذہن میں اسلام اور داعی اسلام کے خلاف اس کی شعلہ بیانیاں اور اپنے ہی جگر کے ٹکڑوں پر حق قبول کرنے پر اس کی ظالمانہ اور بے رحمانہ چیرہ دستیاں تازہ ہوگئیں۔ چنانچہ اس واقعہ کو وہ خود اس طرح بیان کرتی ہیں کہ

" میں حضرت عفراؓ کے گھرانے کے شہید بچوں کی تعزیت کے لئے گئی تھی کہ معلوم ہوا کہ قیدی آگئے ہیں۔ انہیں دیکھنے کے لئے لوگ گھروں سے نکل پڑے۔ میں نے دیکھا کہ حجرے کے ایک کونے میں سہیل بن عمرو کھڑا ہے اور اس کے دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ میں نے یہ حالت دیکھی تو بے اختیار کہا: " اے ابویزید قیدی بننے کی ذلت پر عزت کی موت کیوں نہ مرگئے؟" اتنے میں حضورؐ کی آواز نے مجھے چونکا دیا جو فرما رہے تھے "سودہؓ کیا اسے اللہ عز و جل اور اس کے رسولؐ کی مخالفت پر ابھار رہی ہو؟" میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اس سردار کو دیکھ کر بے اختیار یہ

الفاظ نکل گئے تھے۔"

ام المومنین کی ذات پردے کے حکم کے نزول کا سبب بنی

پردے کا حکم آنے سے پہلے قدیم دستور کے مطابق ام المومنین حضرت سودہؓ اور دوسری ازواج مطہرات رفع حاجت کے لئے باہر تشریف لے جاتی تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کا خیال تھا کہ حضورؐ کی بیویوں کو باہر نہ نکلنا چاہئے اس لئے وہ ایک مرتبہ آپؐ سے عرض بھی کر چکے تھے لیکن آپؐ خاموش رہے۔ ایک دن حضرت سودہؓ قضائے حاجت کے لئے دوسری مسلم خواتین کے ہمراہ جنگل کی طرف جا رہی تھیں کہ راستے میں حضرت عمرؓ مل گئے۔ حضرت سودہؓ دراز قد تھیں اس لئے اپنی ساتھیوں میں نمایاں تھیں' چنانچہ حضرت عمرؓ نے انہیں پہچان لیا اور کہا" سودہؓ ہم نے تمہیں پہچان لیا۔" ام المومنین کو ان کا یہ جملہ سخت ناگوار گزرا اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شکایت کی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس واقعے کے بعد ذیل کا حکم نازل ہوا:

"اے نبی' اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔" (سورہ احزاب آیت ۵۱) نیز یہ ہدایت بھی نازل ہوئی:

"اے نبی کی بیویو' اپنے گھر میں ٹک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔" (سورہ احزاب آیت ۳۳)

ان احکام کے بعد تمام مسلمان خواتین پردے کی پابند ہو گئیں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کے بعد سیدہ سودہؓ ہی وہ واحد خوش قسمت خاتون ہیں جنہیں پورے چار سال تک بلاشرکت غیرے کاشانہ نبوت کو اپنی مہرو وفا اور اپنی والہانہ خدمت گزاری اور غم گساری کی منور شمع سے روشن رکھنے کا شرف حاصل ہوا اور انہیں اپنے محبوب و مطلوب کی خصوصی توجہات اور محبت آمیز عنایات کا مہبط و محور رہنے کا اعزاز نصیب ہوا۔ اس مخلصانہ تعاون اور پر بہار رفاقت نے سیدہ کی سیرت اور ان کے کردار کو اعلیٰ اخلاقی و روحانی اقدار کا ایک دلکش نمونہ بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۲ ھ کے بعد حرم نبوی میں دوسری عالی مرتبت خواتین داخل ہوئیں تو انہوں نے قابل قدر عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا مظاہرہ کیا۔ اسی عالی حوصلگی اور ایثار اور قربانی کا یہ نتیجہ تھا کہ ۵ ھ میں جب وہ کافی سن رسیدہ ہوگئیں تو انہوں نے اپنی باری اپنے محبوب آقا کی دلجوئی اور خوشنودی کے لئے اس کی محبوبہ یعنی حضرت عائشہؓ پر نچھاور کردی کیونکہ وہ ابھی نوعمر تھیں۔ اس پر سیدہ عائشہؓ نے فرمایا تھا:

"میں نے سودہؓ کے سوا کسی اور عورت کو جذبہ رقابت سے خالی نہیں دیکھا۔ نیز ان کے سوا کسی اور عورت کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا نہ ہوئی کہ اس کے جسم میں میری روح ہو۔"

اپنے ایثار کے فیصلے کے وقت سیدہ سودہؓ نے سرورؐ عالم کی خدمت میں عرض کی تھی: "یارسول اللہ مجھے شوہر کی کوئی حرص نہیں، مجھے تو اب سب سے زیادہ عزیز یہ امر ہے کہ قیامت کے روز میرا حشر آپؐ کی بیوی کی حیثیت سے ہو۔"

حجتہ الوداع میں شرکت

۱۰ھ میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ سیدہ سودہؓ سمیت تمام ازواج مطہرات کو ساتھ لیا۔ آپؐ کی حیات مبارکہ میں آپؐ کا یہ آخری حج تھا اس لئے تاریخ میں حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہوا۔ سیدہ موصوفہ دراز قد اور بھاری جسم کی تھیں، تیز چلنا دشوار تھا اس لئے مزدلفہ میں قیام کے دوران آپ نے حضورؐ سے درخواست کی "یارسول اللہ، میرے لئے رش میں چلنا سخت مشکل ہے اس لئے آپؐ مجھے اجازت مرحمت فرمادیں کہ میں رات کو ہی واپس منیٰ چلی جاؤں۔"

حضورؐ نے انہیں خصوصی اجازت مرحمت فرمادی اور رات کو ہی منیٰ کیلئے مزدلفہ سے روانہ ہوگئیں اور صبح کی نماز منیٰ میں ادا کی۔ اس پر ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے فرمایا تھا:

"کاش! سودہؓ کی طرح میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کو مزدلفہ سے روانہ ہونے کی اجازت طلب کرلیتی اور لوگوں کے آنے سے پہلے صبح کی نماز منیٰ میں پڑھتی۔"

اسی حج کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج مطہرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"اس حج کے بعد گھروں میں بیٹھنا۔"

چنانچہ حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ بنت جحش نے اس حکم کی نہایت سختی سے تعمیل کی۔ دوسری ازواج مطہرات اس حکم کا اطلاق سفر حج پر نہیں کرتی تھیں لیکن ام المومنین حضرت سودہؓ اور ام المومنین حضرت زینبؓ رسول کریمؐ کی وفات کے بعد ساری عمر گھر سے باہر نہ نکلیں۔ حضرت سودہؓ فرمایا کرتی تھیں:

"میں نے عمرہ بھی کرلیا ہے اور حج بھی۔ اب خدا کے حکم کے مطابق گھر سے باہر نہ نکلوں گی۔"

مزاج کی شگفتگی

ایمان کی حلاوت نے ام المومنین حضرت سودہؓ کے مزاج اور طبیعت میں بشاشت و شگفتگی کی ایک دلاویز کیفیت پیدا کردی تھی۔ آپ اپنی اس خوبی سے ہر مجلس کو زعفران زار بنا دیتی تھیں۔ خاص طور پر اپنے محبوب آقا کی تفریح طبع کی خاطر اپنی رفتار اور اپنی گفتگو میں ایسا انداز اختیار کرتیں جس سے مزاح کا پہلو نکل آتا جسے دیکھ کر اور سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و سلم خوش بھی ہوتے اور تبسم بھی فرماتے۔ ایک دفعہ حضورؐ کے سامنے رات کا واقعہ اس طرح بیان کیا:

"یارسول اللہ' رات کے آخری حصے میں آپؐ نماز پڑھ رہے تھے' میں بھی آپؐ کی اقتدا میں آپ کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ آپؐ رکوع میں گئے تو میں بھی رکوع میں چلی گئی۔ لیکن آپؐ نے رکوع اتنا لمبا کردیا کہ مجھے اپنی ناک سے خون بہنے کا خطرہ محسوس ہونے لگا چنانچہ میں بار بار اپنی ناک کو سہلاتی رہی۔"

سیدہ نے یہ بات کچھ ایسے انداز میں کی کہ حضورؐ اسے سن کر مسکرا دیئے۔

فیاضی

سیدہؓ کی سیرت کا ایک نمایاں اور روشن پہلو ان کی فیاضانہ سخاوت تھی۔ جو کچھ ہاتھ لگتا بے دریغ اللہ کی راہ میں اس کے ضرورت مندبندوں پر خرچ

کردیتیں۔ آپؓ چمڑے کی صنعت میں نمایاں مہارت رکھتی تھیں۔ اس لئے محنت سے جو کچھ کماتیں اسے خیرات کر کے بے پایاں مسرت حاصل کرتیں۔

حضرت عمرفاروقؓ نے ایک دفعہ درہموں کی ایک تھیلی بھیجی۔ آپ نے پوچھا اس میں کیا ہے؟ بتایا گیا کہ اس میں درہم ہیں۔ بولیں، تھیلی میں درہم کھجوروں کی طرح بھرے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اسی مجلس میں وہ تمام درہم غریبوں اور مسکینوں میں کھجوروں کی طرح تقسیم فرمائے۔

شہید کی ماں ہونے کا لازوال شرف

تمام ازواج مطہرات میں سیدہ سودہؓ ہی وہ واحد بلند بخت خاتون ہیں جن کی زندگی میں ہی ان کے سعادت مند بیٹے نے اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش کیا۔ حضورؐ سے سیدہ سودہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ سابق شوہر حضرات سکرانؓ کی صلب سے ان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ عہد فاروقی میں جب اسلامی فوجیں عراق کو طاغوتی قوتوں سے آزاد کرانے کی مہم میں سردھڑ کی بازی لگا رہی تھیں تو عبدالرحمٰنؓ بھی اس میں شامل تھے۔ عراق کی مکمل آزادی کا آخری معرکہ ۱۶ھ مطابق ۶۳۷ھ میں "جلولا" کے مقام پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی زیر قیادت ہوا۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح عبدالرحمٰنؓ نے بھی ذوق جہاد سے سرشار ہوکر شجاعت اور مردانگی کا مظاہرہ کیا۔ اور اسی محاذ پر اپنی جان حق کی راہ میں قربان کر کے ابدی سرخروئی حاصل کی۔ اس طرح سیدہ سودہؓ ایک شہید بیٹے کی ماں ہونے کا لازوال شرف حاصل کر کے بارگاہ خداوندی میں مقبولیت کے بلند مقام پر فائز ہوئیں۔

وفات

ام المومنین حضرت سودہؓ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنا حجرہ مبارک ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے نام ہبہ فرما دیا تھا۔ سیرت نگاروں کے درمیان آپ کے سال وفات میں سخت اختلاف ہے۔ علامہ واقدی ان کا سن وفات ۵۴ ھ اور حافظ ابن حجر ۵۵ ھ اور امام بخاری ۲۲ ھ بیان کرتے ہیں ہمارے نزدیک امام بخاریؒ کی رائے زیادہ قرین صواب ہے۔ امام بخاریؒ کی تحقیق کے مطابق ان کا انتقال عہد فاروقی میں ہوا۔ آپ سے پانچ روایات منقول ہیں۔ ان میں سے ایک صحیح بخاری میں اور باقی چار احادیث کی دوسری کتابوں میں درج ہیں۔

باب نمبر۳

امت مسلمہ کی بلند پایہ معلمہ' طبقہ خواتین کی عظیم محسنہ' اللہ کے پیارے رسولؐ کی اقلیم محبت کی ملکہ' جس کی صداقت و شرافت کی شہادت خود اللہ کی آخری کتاب نے دی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بنت ابوبکر صدیقؓ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

ایک لاکھ کی رقم کا ڈھیر سامنے ہے۔ مالکہ لونڈی سے کہتی ہے کہ اس ڈھیر کو ایک کپڑے سے ڈھانپ دو اور یہ رقم غریبوں' مسکینوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرنا شروع کردو' چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوتی ہے اور لونڈی رقم کا سارا ڈھیر بانٹ کر اور کپڑا جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ مالکہ اس دن روزے سے ہے۔ شام کو افطار کے وقت خادمہ روکھی روٹی پیش کرتی ہے اور ساتھ ہی عرض کرتی ہے کہ اگر آپ رقم کے ڈھیر سے اپنے لئے کچھ رکھ لیتیں تو میں آپ کے لئے سالن تیار کردیتی۔ اس پر مخدومہ بڑی بے نیازی سے جواب دیتی ہے کہ اگر تم اس وقت یاد دلادیتیں تو کچھ رکھ لیتی' اب یاد دہانی کا کیافائدہ؟

یہ دریادل' کشادہ دست' غریبوں کی ہمدرد و غمگسار اور مال و دولت سے مستغنی خاتون حضرت صدیق اکبرؓ کی لخت جگر اور خدا کے پیارے اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین رفیقہ حیات ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ تھیں۔ جس طرح انہوں نے اپنی پوری زندگی اپنی روحانی اولاد کی دنیوی اور مادی مصیبتوں اور پریشانیوں میں ان کی ضرورتیں پوری کرنے میں

بے مثال فیاضی اور دریادلی کا مظاہرہ کیا، اسی طرح انہیں دین و شریعت اور علم و حکمت کے نور سے منور کرنے اور شرف انسانیت کی معراج تک پہنچانے میں بے پناہ محبت و شفقت کا لازوال کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اہل ایمان اپنی اس عظیم روحانی ماں اور بلندپایہ معلمہ کی بارگاہ میں عقیدت اوراحترام کے جذبات کا نذرانہ پیش کرنا عین سعادت تصور کرتے ہیں۔ امت مسلمہ کی بیٹیاں اپنا سر فخر سے بلند کرسکتی ہیں کہ ان کی رہنما، ان کے حقوق کی پاسباں اور ان کی نسوانی عزت و شرافت کی نگہبان ایسی بلند مرتبہ ہستی ہیں جن کی صداقت و شرافت کی شہادت خود اللہ کی آخری کتاب نے دی ہے اور جن کا علمی مرتبہ اتنا بلند ہے کہ بڑے بڑے صحابہ کرامؓ بھی ان کے حلقہ درس میں شریک ہوکر حقائق اور معارف کے جواہر سے اپنی جھولیاں بھرتے تھے۔

ولادت اور بچپن

نبوت کا پانچواں سال تھا اور شوال کا مہینہ کہ خدائے قدوس نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو ایک ایسی بچی سے نوازا جو بعد میں علم و فضل کے آسمان پر ایک ایسے مہرعالم تاب کی حیثیت سے جلوہ افروز ہوئی جس سے بنی نوع انسان کے افراد خصوصاً طبقہ خواتین نے بے پناہ فیض حاصل کیا۔

اس خوش نصیب بچی کا نام عائشہ رکھا گیا۔ ماں کا نام زینب تھا جو ام رومان کی کنیت سے مشہور تھیں۔ باپ کا نام عبداللہ، کنیت ابوبکر اورلقب صدیق تھا۔ اس نومولود بچی کا شجرہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باپ کی طرف سے آٹھویں پشت اور ماں کی طرف سے بارہویں پشت پر جاکر مل جاتا ہے۔ رواج کے مطابق اس بچی کو جس عورت نے دودھ پلایا وہ

وائل کی بیوی تھی۔ مورخین اور ارباب سیر نے ان کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

عائشہؓ بنت ابوبکر صدیقؓ بن قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ خوش قسمتی تھی کہ انہوں نے جس گھر میں آنکھ کھولی وہ توحید و رسالت کی جانفزا نعمتوں سے معمور تھا۔ اس گھر میں بتوں کی پرستش اور مشرکانہ رسوم کی بجا آوری کے بجائے خدائے واحد کی عبادت ہوتی تھی۔ اللہ کے آخری کلام کی آیات تلاوت کی جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف تقریباً روزانہ حاصل ہوتا تھا۔ ماحول کی اس پاکیزگی اور نورانیت نے شعوری اور غیر شعوری طور پر حضرت عائشہؓ کے معصوم ذہن پر نہایت مثبت اثرات مرتب کیے جو بعد میں ان کی ذہنی، اخلاقی اور روحانی صلاحیتوں کی نشوونما کا موثر وسیلہ بنے۔

بچپن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کو کھیل کود کا بڑا شوق تھا۔ اس طرح محلے کی بچیوں کا اکثر ان کے پاس ہجوم رہتا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ ان میں بچپن ہی سے قدرت نے باہمی میل جول اور معاشرتی روابط قائم کرنے کی بے پناہ صلاحیت ودیعت کی تھی۔

حضرت عائشہؓ کے پسندیدہ کھیل دو تھے۔ گڑیوں سے کھیلنا اور سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھولنا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لاتے تو یہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیوں کا کھیل کھیل رہی ہوتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بچیاں ادھر ادھر ہوجاتیں لیکن آپؐ کو بچوں سے محبت تھی، اس لئے آپؐ انہیں بلاتے اور حضرت

عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ کھیلنے کی ترغیب دیتے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بچپن عام بچوں ہی کی طرح تھا جس میں کھیل کود سے دلچسپی ہوتی ہے اور دنیا کے دوسرے تفکرات سے کم ہی واسطہ ہوتا ہے مگر حضرت عائشہؓ کے انداز و اطوار اور طرز گفتگو سے فطانت و ذہانت کے آثار ہویدا تھے۔ بچپن میں بھی ان کی قوت حافظہ بڑی تیز تھی۔ اگر کھیلتے کودتے بھی قرآن پاک کی کوئی آیت ان کے کان میں پڑجاتی تو وہ بھی حافظے میں محفوظ ہوجاتی۔ اس طرح ہجرت مدینہ کے وقت ان کی عمر صرف آٹھ سال تھی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سفر ہجرت کی تیاری اپنی بڑی بہن حضرت اسمٰؓ کے ساتھ مل کر کی تھی لیکن اس سارے واقعے کی چھوٹی سے چھوٹی جزئیات کو اپنی کم عمری کے باوجود جس طرح یاد رکھا اور جس صفائی اور وضاحت سے انہیں روایت کیا یہ ان کے غیر معمولی حافظے کا بین ثبوت ہے۔

حضورؐ سے نکاح

نبوت کے دسویں سال رمضان المبارک کے مہینے میں ام المومنین سیدہ خدیجہؓ اس دارفانی سے رحلت فرما گئیں۔ اس واقعے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا غم بنادیا۔ سیدہ مرحومہ آپؐ کی رسالت کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والی خاتون تھیں۔ تنہائیوں کے اضطراب اور پریشانیوں کے تلاطم میں وہ آپؐ کی مونس و غم خوار اور بچیوں کی نگران و نگہبان تھیں۔ ان کی وفات نے جہاں حضورؐ کی تبلیغی کوششوں میں حائل ہونے والی رکاوٹوں میں بے پناہ اضافہ کردیا وہیں آپؐ کے گھر کا نظام بھی امن و سکون اور راحت و اطمینان سے محروم ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس

پریشانی نے آپؐ کے ساتھیوں کو سخت پریشان کردیا، چنانچہ ایک دن آپؐ کے ایک مخلص جاں نثار ساتھی حضرت عثمانؓ بن مظعون کی اہلیہ حضرت خولہؓ بنت حکیم آپؐ کے پاس آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی اس طرح بات چیت ہوئی:

خولہؓ: "یارسول اللہ! آپ دوسرا نکاح کرلیں۔"

حضورؐ: "کس سے؟"

خولہؓ: "بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں۔ جس کو آپؐ پسند فرمائیں اس کے متعلق گفتگو کی جائے۔"

حضورؐ: "وہ کون ہیں؟"

خولہؓ: "بیوہ تو سودہؓ بنت زمعہ ہیں اور کنواری حضرت ابوبکرؓ کی لڑکی عائشہؓ۔"

حضورؐ: بہتر ہے تم ان کی نسبت بات کرو۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی معلوم کرلینے کے بعد حضرت خولہؓ، حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئیں اور ان سے رشتے کا ذکر کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مروجہ دستور پیش نظر رکھتے ہوئے کہا:

"عائشہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے۔ اس کا نکاح آپؐ کے ساتھ کیسے ہوسکتا ہے؟"

حضرت خولہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا:

"ابوبکرؓ میرے دینی بھائی ہیں اور اس قسم کے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ کو جب اپنے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا علم ہوا تو انہوں نے اس رشتے کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہوئے بخوشی قبول کرلیا۔

شوال ۱۰ نبوی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح جس سادگی سے ہوا اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت عطیہؓ بیان کرتی ہیں:

"حضرت عائشہ صدیقہؓ لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ ان کی انا آئی اور ان کو گھر لے گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے آکر ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھادیا اور مہر پانچ سو درہم مقرر ہوا۔"

نکاح کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر کل چھ سال تھی۔ اس کم سنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو اپنی زوجیت میں قبول کرلینا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اس عمر ہی میں ان میں جودت ذہن' ذکاوت اور نکتہ رسی کے آثار نمایاں تھے۔

اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاح کی بشارت بھی مل چکی تھی' چنانچہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو مخاطب کرکے فرمایا:

"میں تین رات خواب میں تجھے اس طرح دیکھتا رہا کہ ایک فرشتہ ریشم کے سفید کپڑے میں تیری تصویر میرے سامنے لاتا اور کہتا کہ یہ آپ کی بیوی ہے۔ میں تصویر کا پردہ اٹھا کر چہرہ دیکھتا تو وہ تیرا ہی چہرہ ہوتا اور میں یہ کہا کرتا کہ اگر یہ اطلاع خدا کی طرف سے ہے تو وہ خود ہی اسے پورا بھی کرے گا۔"

نکاح عائشہؓ اور اسلام کا پیغام

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی اس تقریب نے رواجوں اور رسموں کی قیود میں پھنسی ہوئی دکھی انسانیت کو جو حیات آفریں پیغام دیا وہ تین نکات پر مشتمل ہے:

۱۔ انسانی معاشرے کی تعمیر وارتقاء کے لئے ضروری ہے کہ نکاح کا رواج اس میں عام ہو اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں تمام جاہلانہ، مشرکانہ اور مسرفانہ رسموں اور پابندیوں کا خاتمہ کیا جائے۔ اس معاملے میں سادگی کا چلن ہی سب سے مفید اور موثر ذریعہ ہے۔

۲۔ منہ بولے رشتے باہمی مودت و محبت کے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں لیکن انہیں بنیاد بنا کر نکاح کے لئے جائز اور وسیع حلقے کو تنگ کرنا معاشرتی زندگی کی فلاح و بہبود کی پہنائیاں تنگ کر دینے کے مترادف ہے۔

۳۔ شادی بیاہ کے لئے ہر مہینہ اور ہر دن موزوں اور مناسب ہے۔ موہوم خیالات و افکار کی بناء پر بعض دنوں اور بعض مہینوں کو منحوس قرار دے کر ان میں ان تقریبات سے اجتناب فطری تقاضوں کے موافق ہے نہ عقل و دانش سے ہم آہنگ۔

عرب میں شوال کا مہینہ منحوس تصور کیا جاتا تھا، کیونکہ ایک دفعہ عرب میں اس مہینے کے دوران میں سخت وبا پھیلی تھی جس میں بے شمار افراد لقمہ اجل بن گئے تھے۔ اسی طرح اس ملک میں منہ بولے بھائی کی بیٹی سے نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ بولے بھائی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی سے شوال کے مہینے میں نہایت سادگی کے ساتھ نکاح کر کے عرب کے

قدیم جاہلی نظام پر ایک کاری ضرب ہی نہیں لگائی بلکہ اپنی امت کے لئے ایک ایسا نمونہ بھی پیش کردیا جس میں آسانی اور سہولت بھی ہے اور خیروبرکت بھی۔

مدینے کی طرف ہجرت

نکاح کے بعد سیدہ عائشہؓ تین سال تک اپنے میکے ہی میں رہیں۔ اہل مکہ کی زیادتیوں، سختیوں اور چیرہ دستیوں سے تنگ آکر بحکم خداوندی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ مکے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے لیکن اپنے گھروالوں کو مکے ہی میں دشمنوں کی نرغے میں چھوڑ گئے۔ جب مدینے میں ذرا اطمینان نصیب ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ بن حارثہؓ اور اپنے غلام رافعؓ کو اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو اپنے اہل و عیال کو لانے کے لئے مکہ بھیجا۔

حضرت عبداللہؓ بن ابوبکرؓ اپنی والدہ ام رومانؓ اور دونوں بہنوں حضرت اسماؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اور حضرت زیدؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت سودہؓ اور آپؐ کی دو بیٹیوں ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ کو ساتھ لے کر مکے سے روانہ ہوئے۔

اتفاق سے جس اونٹ پر حضرت عائشہؓ سوار تھیں وہ بھاگ نکلا اور اس زور سے دوڑا کہ ہر لمحہ یہ خطرہ تھا کہ پالان اب گرا، کہ گرا۔ اس مخدوش صورت حال نے ماں کو بے تاب کردیا۔ انہیں اپنی تو فکر نہ تھی، لیکن وہ بیٹی کے لئے زار و قطار رونے لگیں۔ آخر چند میل پر جاکر اونٹ پکڑا گیا تو ماں کو قرار آیا۔

اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو یہ قافلہ جب مدینے پہنچا تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد نبویؐ کے قریب مکانات کی تعمیر کرا رہے تھے، چنانچہ آپؐ کی اہلیہ اور دونوں صاحبزادیاں انہی زیر تعمیر حجروں میں فروکش ہوئیں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے والد کے مکان میں اقامت گزیں ہوئیں جو مسجد سے فاصلے پر بنو حارث بن خزرج کے محلے میں واقع تھا۔

مکے سے آنے والے مسلمانوں کو شروع شروع میں مدینے کی آب و ہوا راس نہ آئی، اس لئے ان میں سے اکثر بخار اور دوسری بیماریوں میں مبتلا ہوگئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی بیمار ہوئے۔ حضرت عائشہؓ پوری دلسوزی سے ان کی تیمارداری کرتیں اور جب بھی خیریت دریافت کرتیں تو حضرت ابوبکرؓ جواب میں یہ شعر پڑھ دیتے جس کا مطلب ہے:

"ہر شخص پر اس کے اہل و عیال ہی میں ڈاکہ پڑ رہا ہے اور موت اس کی چپل کے تسمے سے بھی اس کے قریب ہے۔"

اس شعر کے پڑھنے سے حضرت ابوبکرؓ کی اس قلبی کیفیت کا اظہار ہوتا تھا کہ وہ اپنی بیماری کی شدت کی وجہ سے زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں اور ان کے قلب اور ذہن پر موت کی پرچھائیاں پڑ رہی ہیں۔

حضرت عائشہؓ اپنے پدر محترم کی یہ حالت دیکھ کر تلملا اٹھیں اور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ساری کیفیت بیان کی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ صحت یاب ہوگئے۔ باپ کو صحت ملی، لیکن اب بیٹی بستر علالت پر دراز ہوگئی۔ بیماری اتنی سخت تھی کہ حضرت ابوبکرؓ اپنی پدری محبت کے جذبات سے بے قابو ہو کر حسرت بھرے انداز میں ان کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیتے تھے۔ آخر کار باپ کی

شفقت بھری دعائیں کارگر ثابت ہوئیں اور حضرت عائشہؓ مرض کے اس بحران سے بخیرو خوبی عہدہ برآ ہوگئیں۔

رخصتی

بیٹی کے صحت مند ہونے پر حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ اپنی بیوی کو اپنے پاس بلالیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس مہرادا کرنے کیلئے رقم نہیں ہے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے گزارش کی: "حضورؐ میری دولت حاضر ہے' اسے جس طرح چاہیں استعمال فرمائیں۔" آپؐ نے اسی وقت ان سے پانچ سو درہم بطور قرض لے کر حضرت عائشہؓ کو پہنچادیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس طرز عمل سے دنیا پر واضح کردیا کہ "مہر" دنیا کا کوئی ایسا قرض نہیں جو ادائیگی کی منت سے بے نیاز ہو۔ یہ عورت کا حق ہے جو لازمی طور پر اسے ملنا چاہئے۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی دلہن کی رخصتی کا منظر بھی عجیب سادہ' ہر قسم کی لغویات و فضولیات سے پاک اور روح پرور تھا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح اور امام احمد نے اپنی مسند میں اس کی تفصیلات بیان کی ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

مدینہ گویا حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سسرال تھی۔ انصار مدینہ کی عورتیں دلہن کو لینے کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے گھر آئیں۔ حضرت ام رومانؓ نے اپنی بیٹی کو آواز دی۔ وہ اس وقت اپنی سہیلیوں اور ہم جولیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں۔ ماں کی آواز سنتے ہی ہانپتی کانپتی ان کے پاس آئیں۔ ماں بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر دروازے تک لائیں۔ وہاں منہ دھلوا کر بال سنوار دیے۔ پھر

ان کو اس کمرے میں لے گئیں جہاں انصار کی عورتیں ان کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ دلہن جب اندر داخل ہوئی تو انہوں نے خیرو برکت کی دعاؤں کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ دلہن کو بنایا سنوارا۔ تھوڑی دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔

سسرال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت دودھ کے ایک پیالے سے کی گئی۔ آپؐ نے تھوڑا سا پی کر پیالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف بڑھادیا۔ وہ شرمانے لگیں۔ ایک سہیلی نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ واپس نہ کرو۔ انہوں نے شرماتے شرماتے لے لیا اور چند گھونٹ پی کر رکھ دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنی سہیلیوں کو دو۔ سہیلیوں نے کہا: "حضورؐ ہمیں اس وقت بھوک نہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "جھوٹ نہ بولو۔ آدمی کا ایک ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ شوال ۱ھ میں دن کے وقت اپنے میکے سے رخصت ہو کر حرم نبوت میں رونق افروز ہوئیں۔ رہائش کے لئے آپ کو جو مکان ملا وہ مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا۔ اس وقت آپ کی عمر کل دس سال تھی لیکن عرب کی گرم آب و ہوا اور ان کی غیر معمولی فطری صلاحیتوں نے ان کے جسم اور قدو قامت کی بالیدگی میں نمایاں کردار ادا کیا اور انہیں اس قابل بنادیا تھا کہ معاشرتی ذمے داریوں کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں۔

تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام

قدرت نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے دنیا کا سب سے اہم کام لینا تھا' اس لئے ان کی تعلیم و تربیت کا بھی خصوصی انتظام کیا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے دس سال اپنے عظیم باپ حضرت ابوبکرؓ کے سایہ شفقت میں گزارے جن کا

دل خدا کے دین اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار تھا' جو قریش میں علم الانساب کے ممتاز ماہر تصور کیے جاتے تھے۔ ان کا شعرو ادب کا ذوق بہت بلند تھا اور معاملہ فہمی کی صلاحیت پورے معاشرے میں مسلم تھی۔ اسی لئے خوں بہا کے مقدمات کا تصفیہ ان کے سپرد تھا۔ وہ علم نفسیات کے اس شعبے کے مایہ ناز عالم تھے جسے خوابوں کی تعبیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اسلام اور پیغمبر اسلام سے والہانہ محبت' علم الانساب میں مہارت' معاملے کی تہ تک پہنچ جانے کی بیکراں صلاحیت اور خوابوں کی تعبیر بیان کرنے کی اعلیٰ استعداد میکے ہی سے اپنے ساتھ لے کر آئی تھیں۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت نے ان کی ذہنی و روحانی قوتوں کی نشوونما کے لئے وسیع راہیں کشادہ کردیں جس کے نتیجے میں وہ اپنی روحانی اولاد' پوری امت مسلمہ کے لئے شفیق معلمہ کے اہم منصب پر فائز ہوئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ آپؐ نوع انسانی کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور کردار و اخلاق کا ایسا پسندیدہ نمونہ عملی طور پر پیش کریں جس کی اتباع سے اس کے لئے فلاح و کامرانی اور دنیا و آخرت کی سرخروئی مقدر ہوجائے۔ معرفت و حکمت کے اس چشمہ فیض سے براہ راست فیض یاب ہونے کے مواقع مردوں کے لئے تو بے شمار تھے مگر طبقہ خواتین کے لئے اکثر معاملات میں ان کی فطری مجبوریاں اور نسوانی شرم و حیا حائل ہوجاتی تھیں' اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی شادیاں کیں تاکہ ازواج مطہرات فیضان نبوت کے انوار سے خود مستفید

ہو کر باقی کائنات نسوانی کو منور کر سکیں۔ اس نقطہ نظر سے جب سیرت نبوی کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ شادی بڑی اہم اور دور رس نتائج کی حامل نظر آتی ہے۔

دیگر ازواج مطہرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں بیوہ ہو کر آئیں۔ بعض کے ساتھ ان کے سابق شوہروں کی اولاد بھی تھی۔ کچھ اپنی عمر کی اس منزل میں داخل ہو چکی تھیں جہاں پڑھنے' سیکھنے اور نئی باتیں اخذ کرنے کی صلاحیتیں بڑی حد تک کمزور پڑ جاتی ہیں۔ تمام ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ لڑکپن کی عمر میں کاشانہ نبوت میں داخل ہوئیں جب پڑھنے' علم حاصل کرنے اور نئی معلومات اخذ کرنے کی قوتیں پوری طرح مستعد ہوتی ہیں اور طبیعت کافی حد تک ہر قسم کے تعصبات سے پاک ہوتی ہے۔ اور انہیں تو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ نکاح کے وقت وہ کنواری تھیں۔ حسن معاشرت اور سلیقہ مندی کے زیور سے آراستہ' فہم و ذکا کے آثار ان کی ہر ادا اور ہر عمل سے ہویدا تھے' اس لئے وہ اپنے شوہر نامدار کی اقلیم محبت کی ملکہ قرار پائیں۔ اس نظر کرم نے ان کے قلب و ذہن کی دنیا میں بے پناہ وسعت و رفعت پیدا کر دی اور روح کی کائنات لطافتوں' جدتوں اور نکتہ آفرینیوں کے روشن ستاروں سے جگمگا اٹھی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آ کر بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ گو آپ کو لکھنا نہیں آتا تھا لیکن قرآنی مطالب' احکام دین اور تزکیہ نفس کے رموز سیکھنے کے مواقع آپ کے لئے بکثرت موجود تھے۔ معلم حقیقی بنفس نفیس آپؓ کے سامنے موجود ہوتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے اور آپؐ کے اعمال و افعال کا مشاہدہ کرنے میں کوئی چیز حائل نہ

تھی۔ مسجد میں درس و تدریس اور تذکیر و نصیحت کی محفلیں منعقد ہوتیں تو اپنے گھر میں بیٹھ کر بھی بہ آسانی آپؐ سے استفادہ کرلیتیں۔ جس بات کو سمجھنے میں کوئی دقت محسوس ہوتی یا جس معاملے میں کسی قسم کا شک و شبہہ لاحق ہوتا آپ بلاجھجک حضورؐ سے دریافت فرمالیتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اوران کے سوالات کا اطمینان بخش جواب عنایت فرماتے۔ اس سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ کیجئے:

۱۔ "ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" جو شخص خدا کی ملاقات پسند کرتا ہے، خدا بھی اس کی ملاقات پسند کرتا ہے۔ جو اس کی ملاقات کو ناگوار سمجھتا ہے، اسے بھی اس سے ملنا ناگوار ہوتا ہے۔"

ارشاد نبوی سن کر حضرت عائشہؓ نے عرض کی:" یارسول اللہ! ہم میں سے تو کوئی بھی موت کو پسند نہیں کرتا۔"

آپؐ نے فرمایا:" اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن جب اللہ تعالیٰ کی رحمت، خوشنودی اور جنت کا حال سنتا ہے تو اس کا دل خدا کا مشتاق ہوجاتا ہے۔ وہ بھی اس کے آنے کا مشتاق رہتا ہے اور کافر جب خدا کے عذاب اور ناراضی کے واقعات سنتا ہے تو اس کو خدا کے سامنے پیشی سے نفرت ہوجاتی ہے اور خدا بھی اس سے نفرت رکھتا ہے۔" (ترمذی)

۲۔ نکاح میں عورت کی رضامندی شرط ہے لیکن کنواری لڑکیاں شرم کی وجہ سے اپنی رضامندی کا اظہار نہیں کرسکتیں، اس لئے حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا:" یارسول اللہ! نکاح میں عورت سے اجازت لینی چاہئے؟"

فرمایا:" ہاں"

عرض کی:" وہ تو شرم کی وجہ سے چپ رہتی ہے۔"

ارشاد ہوا کہ اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے۔ (مسلم)

۳۔ جہاد اسلام کا ایک فرض ہے۔ حضرت عائشہؓ کا خیال تھا کہ جس طرح دوسرے دینی فرائض میں عورت اور مرد کی کوئی تفریق نہیں اسی طرح جہاد بھی عورتوں پر واجب ہوگا۔ ایک دن انہوں نے اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "عورتوں کے لئے حج ہی جہاد ہے۔" (بخاری)

۴۔ کافروں اور مشرکوں نے اگر دنیا میں نیک کام کئے ہوں تو کیا آخرت میں انہیں اس کا کوئی اجر ملے گا؟ ایک دن حضرت عائشہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ یہ سوال کرتے وقت ان کے سامنے مکہ کے ایک سردار عبداللہ بن جدعان کی مثال بھی تھی۔ یہ شخص مشرک ہونے کے باوجود بڑا نرم دل اور نیک مزاج انسان تھا۔ اس نے خونریزی جیسی مصیبت کو روکنے کے لئے مکے میں سرداروں کی ایک مجلس صلح قائم کی تھی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی تھی۔

حضرت عائشہؓ کے استفسار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نہیں عائشہؓ! اس نے کسی دن یہ نہیں کہا کہ خدایا قیامت میں میری خطا معاف کرنا۔" (مسند احمد)

یعنی ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بغیر کوئی نیک عمل قابل قبول اور لائق جزا نہیں۔

☆

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں فقر و فاقہ اور عسرت عام تھی

کیونکہ یہ کسی دنیوی شہنشاہ کا گھر نہ تھا بلکہ ایک ایسی ہستی کا کاشانہ تھا جو معاشرے میں پسے ہوئے طبقوں مثلاً" یتیموں اور مسکینوں کی ہمدرد و غمگسار تھی۔ بھوکوں کا غم وہی محسوس کر سکتا ہے جو خود بھوک کی لذت سے آشنا رہا ہو۔ بے چاروں کا درد اسی کے سینے میں جگہ پا سکتا ہے جو خود بھی بے چارگی و بے بسی کے بھنور میں غلطاں و پیچاں رہ چکا ہو۔ اس گھر کو انسانیت کی امامت و قیادت کے فرائض انجام دینے تھے' اس لئے اس کے مکینوں کا اس دور عسرت سے گزرنا ایک فطری امر تھا۔

معمول کی یہ تنگی بعض دفعہ گھر والیوں کے لئے سخت پریشانی کا موجب بن جاتی ---سیرت و کردار کی مضبوطی کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے چھٹنے کے قریب ہو جاتا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید نان و نفقے کا مطالبہ بھی کرتیں جو ان کا قانونی حق تھا اور اخلاقی بھی' لیکن اس گھر کی شان ہی نرالی تھی۔ یہ گھر فلاح انسانیت کی تحریک کا مرکز تھا' اور اس کا بنیادی فلسفہ ہی یہ تھا کہ ایثار اور صبرو ضبط کے بغیر کوئی تعمیری خدمت انجام دی جا سکتی ہے نہ دکھی دنیا کا دکھ بانٹا جا سکتا ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو اپنے موجودہ اعزاز کو برقرار رکھیں اور چاہیں تو علیحدگی اختیار کر لیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"اے نبیؐ! اپنی بیویوں سے کہو' اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کردوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور دار آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں' اللہ نے ان کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔" (سورۃ احزاب آیات ۲۸'۲۹)

جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے گفتگو کی اور فرمایا:

"میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ جواب دینے میں جلدی نہ کرنا۔ اپنے ماں باپ سے بھی رائے لے لینا۔"

اس کے بعد آپؐ نے مندرجہ بالا آیات پڑھ کر سنائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر حضرت عائشہؓ نے بغیر کسی توقف کے جواب دیا:

"کیا اس معاملے میں اپنے ماں باپ سے پوچھوں؟ میں تو اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دار آخرت کو چاہتی ہوں۔"

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہر ایک بیوی کے ہاں تشریف لے گئے اور ہر ایک سے یہی بات فرمائی اور ہر ایک نے یہی جواب دیا جو حضرت عائشہؓ نے دیا تھا۔

اس واقعے کے وقت حضرت عائشہ کی عمر صرف سولہ سترہ سال تھی لیکن ان کی نگاہ اتنی بلند اور قوت فیصلہ اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ انہیں اس اہم معاملے میں فیصلہ کرتے وقت کسی خلجان کا سامنا نہ کرنا پڑا اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ ان کی محبتوں اور عقیدتوں کا مرکز صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی۔ اس مرکز عقیدت پر دنیا کی تمام آسائشیں، راحتیں اور زینتیں قربان، اس کے لئے دنیا کی ہر اذیت میں راحت اور اس کی ہر سختی میں حلاوت و لذت تھی۔

تاریخ اسلام میں یہ واقعہ "تخییر" کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت عائشہؓ جس گھر میں بیاہ کر آئیں، اس کا ماحول دوسرے گھروں

سے قدرے مختلف تھا۔ اس میں ان کے لئے قدم قدم پر آزمائشیں تھیں اور ہر لمحہ جذبات پر قابو پانے اور اپنے احساسات کو حد اعتدال میں رکھنے کی ضرورت تھی۔

ایک عورت کے لئے دنیا کی سب سے ناگوار اور تلخ چیز ایک سوکن کا وجود ہے۔ وہ فطری طور پر اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کی محبت میں کوئی دوسرا شریک ہو لیکن حضرت عائشہؓ ایک سے لے کر آٹھ آٹھ سوکنوں کے ساتھ رہیں۔ ان میں رئیس زادیاں بھی تھیں اور غیر معمولی نسوانی حسن و جمال کی حامل بھی' سلیقہ شعاری میں ممتاز بھی اور امور خانہ داری میں طاق بھی۔ ان اوصاف کے علاوہ ان میں یہ بات بھی مشترک تھی کہ وہ سب ایک ہی شمع کی پروانہ تھیں اور سب کے سینے محبت کے ایک ہی چراغ کے نور سے روشن تھے۔

اس مثالی اور بابرکت گھر کے مکین آخر انسان تھے۔ ان میں انسانی جذبات و احساسات بھی تھے اور فطری تقاضے اور داعیے بھی۔ اسی انسانی فطرت کے پیش نظر بعض اوقات سوکنوں میں نوک جھونک بھی ہو جاتی اور تلخ گفتگو بھی' لیکن یہ سب باتیں وقتی ہوتی تھیں۔ فیضان نبوت کے پرتو سے ان کے دل اتنے صاف شفاف ہو چکے تھے کہ وہ کبھی حسد و کدورت اور بغض و عداوت کے غبار سے آلودہ نہیں ہوئے۔ حضرت عائشہؓ اپنی عمر کے لحاظ سے اپنی تمام سوکنوں میں سب سے چھوٹی تھیں اور اپنے محبوبؐ کی خصوصی وابستگی اور التفات پر انہیں کسی حد تک ناز بھی تھا' لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اپنی سوکنوں کا ذکر جس عزت و احترام سے کرتی ہیں وہ ان کی عالی ظرفی' وسیع القلبی اور بلند ہمتی کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

حضرت عائشہؓ کو جس سوکن سے سب سے پہلے واسطہ پڑا وہ ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ تھیں۔ ان کے متعلق فرماتی ہیں:

"سودہؓ میں ذرا تیزی تو تھی' ورنہ اور کوئی بھی ایسا نہیں جس کے درجے میں ہونا مجھے سب سے زیادہ پسند ہو۔"

ام المومنین حضرت صفیہؓ غزوہ خیبر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ نکاح میں آئیں۔ یہ ایک یہودی سردار کی بیٹی تھیں۔ ان کے متعلق سیدہ عائشہؓ اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہیں:

"میں نے کوئی عورت حضرت صفیہؓ جیسا عمدہ کھانا پکانے والی نہیں دیکھی۔"

ام المومنین حضرت زینب بنتؓ جحش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد تھیں۔ انہیں اپنی خاندانی وجاہت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبتی رشتے کی قرابت پر بڑا فخر تھا' اس لئے وہ تمام ازواج میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ عزت کی مستحق سمجھتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کے مقابلے میں برابری کا دعویٰ انہی کو ہوسکتا تھا لیکن وہ ان کے متعلق فرماتی ہیں:

"دین کے معاملے میں زینبؓ سے بہتر میں نے کوئی عورت نہیں دیکھی۔ وہ اللہ کا زیادہ تقویٰ رکھنے والی' بہت زیادہ سچ بولنے والی' رشتے داروں سے عمدہ سلوک کرنے والی اور اللہ کی راہ میں بہت زیادہ خرچ کرنے والی تھیں۔"

اپنی ایک سوکن ام المومنین حضرت جویریہؓ کا ذکر وہ اس طرح کرتی ہیں:

"جویریہؓ میں شیرینی اور دل کشی پائی جاتی تھی کہ دیکھنے والے کے دل

میں ان کی جگہ ہو جاتی تھی۔"

اور ام المومنین حضرت میمونہؓ کے انتقال پر انہیں ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

"وہ ہم میں سب سے زیادہ پرہیزگار تھیں۔"

اسلام کے بدخواہوں خصوصاً" منافقین مدینہ نے تحریک اسلام کے قائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم کے وقار اور عظمت کو مجروح کرنے کی کوشش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور افواہ سازی کے کارخانے کو چالو رکھنے میں اپنی پوری توانائیاں صرف کیں تاکہ جدید اسلامی معاشرے میں اضطراب و اضطرار کا دور دورہ ہو اور اس طرح یہ تحریک اخلاقی محاذ پر شکست سے ہم کنار ہو جائے۔ ان افواہوں اور افترا پردازیوں کی ایک جھلک ان غیر معتبر اور غیر مستند روایات میں دیکھی جا سکتی ہے جن میں فن روایت و درایت کی نقد و جرح کا مقابلہ کرنے کی قطعاً" سکت نہیں، لیکن اس کے باوجود ام المومنین ام سلمہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت جویریہؓ اور حضرت میمونہؓ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کے کسی تلخ اور ناگوار جھگڑے اور تنازع کی کوئی روایت مذکور نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا گھر محبت و الفت اور باہمی خیر خواہی و ہمدردی کا جنت نما گہوارہ تھا۔

☆

ایک خاتون کے لئے اپنی حقیقی اولاد کی تربیت دنیا کا سب سے خوش گوار روحانی تجربہ ہے جس سے اس کے قلب و ذہن کو سکون کی بے بہا دولت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس سوتیلی اولاد کا وجود اور اس سے نبھاؤ اس کے لئے سوہان روح سے کسی طرح کم نہیں۔ سوتیلی اولاد کے ساتھ شفقت و

محبت کی ایسی خاتون ہی سے توقع کی جا سکتی ہے جس کا ظرف وسیع' دل فراغ اور ذہن غیر معمولی حد تک متوازن ہو۔

حضرت عائشہؓ کے لئے ان کی خصوصی' روحانی اور اخلاقی تربیت کی خاطر قدرت نے ایسے گھر کا انتخاب کیا جہاں سوکنوں کے علاوہ سوتیلی اولاد سے بھی واسطہ تھا۔ قدم قدم پر ایسے حالات موجود تھے جہاں انہیں ہر لمحہ بے پایاں تحمل اور رواداری کا مثالی مظاہرہ کرنے کا موقع ملتا تھا اور اسی بات نے ان کی اخلاقی عظمت کو چار چاند لگا دیے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ جب کاشانہ نبوت میں تشریف لائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں جو ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں' بقید حیات تھیں۔ سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا نکاح مکہ میں ہو چکا تھا لیکن غزوہ بدر یعنی ۲ ہجری کے بعد وہ اپنے باپ کے گھر تشریف لے آئیں کیونکہ ان کا شوہر ابھی حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوا تھا۔ سیدہ زینبؓ کی "امامہ" نامی ایک لڑکی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس نواسی سے بے حد محبت کرتے تھے۔ یہ حضرت عائشہؓ ہی ہیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اس بڑی بیٹی اور نواسی سے خصوصی محبت کی کیفیت سے امت کو آگاہ کیا۔ فرماتی ہیں کہ حضرت زینبؓ کی وفات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔"

امامہ کے ساتھ پیار کی کیفیت اس طرح سناتی ہیں: "آپ اس کو بہت پیار کرتے تھے' اسے گود میں لے کر مسجد جاتے اور نماز پڑھاتے تو اس کو کندھے پر بٹھا لیتے۔ کہیں سے ایک ہار آیا' لوگوں نے کہا کہ یہ عائشہؓ کی

قسمت کا ہے لیکن آپ نے وہ امامہ کو دے دیا۔"

دوسری صاحبزادی سیدہ رقیہؓ تھیں۔ ان کا نکاح حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہوا تھا۔ ان کا انتقال حضرت عائشہؓ کی شادی کے ایک سال بعد ۲ ہجری میں ہو گیا۔

تیسری صاحبزادی سیدہ ام کلثومؓ تھیں۔ ان کی شادی بھی حضرت عثمانؓ کے ساتھ ۳ ہجری میں ہوئی۔ انہوں نے ۹ ہجری میں وفات پائی' لیکن روایات کا پورا ذخیرہ اس امر کی نشاندہی سے قاصر ہے کہ ان دونوں صاحبزادیوں اور حضرت عائشہؓ کے مابین کبھی کسی قسم کی شکررنجی ہوئی ہو۔ یہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ ان کے تعلقات نہایت صاف ستھرے اور خوشگوار رہے۔

چوتھی صاحبزادی سیدۃ النسا فاطمہ الزہراؓ تھیں۔ ۲ ہجری کے وسط میں ان کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی۔ ان کی شادی کے انتظامات ماں کی حیثیت سے خود عائشہؓ نے کئے۔ مثلاً" خود مکان لیپا پوتا' بستر تیار کیا اور اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دھن کر تکیے بنائے۔ چھوارے اور منقے دعوت میں پیش کیے۔ مشک اور کپڑے لٹکانے کے لئے لکڑی کی الگنی بنائی اور پھر فرماتی ہیں:

"میں نے فاطمہؓ کے بیاہ سے اچھا کوئی بیاہ نہیں دیکھا۔"

حضرت فاطمہؓ بیاہ کر جس مکان میں گئیں اس کے اور حضرت عائشہؓ کے حجرے کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی جس میں ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی جس سے بوقت ضرورت ماں بیٹی آپس میں بات چیت کر لیتی تھیں۔

ماں بیٹی کے دل آپس میں کتنے صاف اور تعلقات کتنے خوشگوار تھے' اس کا اندازہ ذیل کی روایات سے باسانی ہو جاتا ہے:

حضرت عائشہؓ اپنی بیٹی کے متعلق فرماتی ہیں:

"میں نے فاطمہؓ سے ان کے باپ کے سوا کوئی اور بہتر انسان کبھی نہیں دیکھا۔" (زرقانی)

ایک تابعی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا۔ انہوں نے جواب میں فرمایا:

"فاطمہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ میں نے نشست و برخاست کے طور طریقے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا فاطمہؓ سے زیادہ کسی اور کو نہیں دیکھا۔ جب وہ آپؐ کی خدمت میں آتیں تو آپؐ سرو قد کھڑے ہوجاتے، پیشانی چوم لیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ اسی طرح جب آپؐ ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ بھی کھڑی ہوجاتیں، باپ کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔" (ترمذی)

حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے خوشگوار باہمی تعلقات کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ وہ حدیث جس کے ذریعے امت مسلمہ کو یہ معلوم ہوا کہ سیدہ فاطمہؓ ان کے شوہر حضرت علیؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اہل بیت میں شامل ہیں، حضرت عائشہؓ کی ہی روایت کردہ ہے۔

حرم نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صاحبزادیوں کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات کے وہ بچے اور بچیاں بھی موجود تھے جو ان کے سابق شوہروں سے تھے۔ وہ بھی اسی گھر میں زیر تربیت تھے، مگر تاریخ و سیرت کا پورا ریکارڈ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے رحیم و شفیق دل میں ان سب کے لئے محبت و الفت اور خیر خواہی کے سوا کوئی جذبہ کارفرما نہ تھا۔

واقعہ افک اور سیدہ کی شخصیت پر اثرات

غزوہ بدر سے غزوہ احزاب تک کی معرکہ آرائیوں کے بعد اسلامی تحریک کی دشمن قوتیں اس نتیجے پر پہنچیں کہ اس تحریک کے قائد اور کارکنوں کو اسلحہ اور افراد کی کثرت کے بل بوتے پر میدان میں شکست نہیں دی جاسکتی کیونکہ ان کی اصل طاقت ان کی وہ ایمانی اور اخلاقی قوت ہے جس نے ان میں ناقابل تصور قوت عمل پیدا کردی ہے اور باہمی اعتماد و اتحاد کی ایسی فضا قائم کردی ہے کہ وہ بنیان مرصوص کی حیثیت اختیار کرچکا ہے' اس لئے اب بیرونی اور اندرونی دشمنوں نے بڑے غور و فکر کے بعد ایک خوفناک منصوبہ تیار کیا جس کے ذریعے ایک طرف تو مسلمانوں کے مختلف قبیلوں اور گروہوں کی قدیم دشمنیوں کو بھڑکاکر انہیں آپس میں لڑانا تھا اور دوسری طرف بہتان طرازیوں اور افترا پردازیوں کی یلغار کے ذریعے ان کی عفت و عصمت کی پاکیزگی کی ساکھ کو غیروں اور اپنوں کی نظر میں بے وقعت بنانا تھا۔ دشمنوں کے اسی ناپاک منصوبے کے تحت وہ دردناک المیہ پیش آیا جسے واقعہ افک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

شعبان ٦ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بحراحمر کے ساحل کے قریب قدید کے علاقے میں قبیلہ بنو مصطلق دوسرے قبائل کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں کررہا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی آپ اسلامی لشکر کے ایک دستے کے ساتھ وہاں پہنچے تاکہ فتنے کو سر اٹھانے کا موقع ہی نہ ملے۔ اس مہم میں بہت سے منافقوں کے ساتھ عبداللہ بن ابی بھی شامل ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بروقت کارروائی کی وجہ سے دشمن کو قدم جمانے کا موقع نہ ملا۔ اور معمولی سی جھڑپ کے بعد مسلمانوں نے دشمن

کے افراد اور مال و اسباب کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

عبداللہ بن ابی اس سفر کے دوران میں مسلمانوں میں فتنے کی چنگاریاں بھڑکاتا رہا۔ اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس کی شرانگیزیوں کی وجہ سے انصار و مہاجرین آپس میں دست و گریبان ہوتے ہوتے رہ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت شخصیت اور آپؐ کی مدبرانہ قیادت فتنہ انگیزیوں کی اس آگ کو ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوتی رہی۔

اسی سفر میں اس بدبخت نے ایک اور خطرناک فتنہ اٹھایا اور فتنہ بھی ایسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے وفاشعار ساتھی کمال درجہ ضبط و تحمل اور حکمت و دانائی سے کام نہ لیتے تو مدینہ کی نوخیز اسلامی سوسائٹی میں سخت خانہ جنگی برپا ہوجاتی۔ یہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت کا فتنہ تھا۔ اس کی روداد خود حضرت عائشہ کی زبانی سنئے۔ وہ بیان کرتی ہیں:

"واپسی پر جب ہم مدینے کے قریب پہنچے۔ ایک منزل پر رات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ کیا۔ اور ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ کوچ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ میں اٹھ کر رفع حاجت کے لئے گئی۔ واپسی پر محسوس ہوا کہ میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا ہے۔ میں اسے ڈھونڈنے میں لگ گئی اور اتنے میں قافلہ چل دیا۔ قاعدہ یہ تھا کہ میں کوچ کے وقت ہودے میں بیٹھ جاتی تھی اور چار آدمی اٹھا کر اسے اونٹ پر رکھ دیتے تھے۔ اس زمانے میں غذا کی کمی کی وجہ سے ہم عورتیں بہت ہلکی پھلکی تھیں۔ میرا ہودا اٹھاتے وقت ان لوگوں کو یہ محسوس ہی نہیں ہوا کہ میں اس میں نہیں ہوں۔ وہ خالی ہودہ اونٹ پر رکھ کر روانہ ہوگئے۔ میں جب ہار لے کر واپس آئی تو وہاں کوئی نہ تھا۔ آخر اپنی چادر اوڑھ کر لیٹ گئی اور دل میں

سوچ لیا کہ آگے جاکر جب یہ لوگ مجھے نہ پائیں گے تو خود ہی ڈھونڈتے ہوئے آجائیں گے۔ اسی حالت میں مجھے نیند آگئی۔ صبح کے وقت صفوانؓ بن معطل اس جگہ سے گزرے جہاں میں سو رہی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے کیونکہ پردے کا حکم آنے سے پہلے وہ مجھے بارہا دیکھ چکے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اونٹ روک لیا اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اٹھ کر فوراً چادر منہ پر لی۔ انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی۔ اپنا اونٹ لاکر میرے پاس بٹھا دیا اور الگ ہٹ کر کھڑے ہوگئے۔ میں اونٹ پر سوار ہوگئی اور وہ نکیل پکڑ کر روانہ ہوگئے۔ دوپہر کے وقت ہم نے لشکر کو جالیا جبکہ وہ ابھی ایک جگہ جاکر ٹھہرا ہی تھا اور لشکر والوں کو ابھی یہ پتہ نہ چلا تھا کہ میں پیچھے رہ گئی ہوں۔ اس پر بہتان اٹھانے والوں نے بہتان اٹھادیے اور ان میں سب سے پیش پیش عبداللہ بن ابی تھا' مگر میں اس سے بے خبر تھی کہ مجھ پر کیا باتیں بن رہی ہیں۔ مدینے پہنچ کر میں بیمار ہوگئی۔ ایک مہینے تک پلنگ پر پڑی رہی۔ شہر میں بہتان کی خبریں اڑ رہی تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک بھی پہنچ چکی تھیں' مگر مجھے کچھ پتہ نہ تھا' البتہ جو چیز مجھے کھٹکتی تھی وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ میری طرف وہ نہ تھی جو بیماری کے زمانے میں ہوا کرتی تھی۔ آپؐ گھر میں تشریف لاتے تو دوسروں سے میرے متعلق پوچھ لیتے لیکن مجھ سے کوئی بات نہ کرتے۔ اس سے مجھے شبہ ہوتا کہ کوئی بات ہے ضرور۔ آخر آپؐ سے اجازت لے کر اپنی ماں کے گھر آگئی تاکہ وہ میری تیمارداری اچھی طرح کرسکیں۔

ایک روز رات کے وقت رفع حاجت کے لئے میں مدینے کے باہر گئی۔

میرے ساتھ مسطحؓ بن اثاثہ کی والدہ بھی تھیں جو میرے باپ کی خالہ زاد بہن تھیں۔ انہوں نے کہا: "بیٹا، تمہیں کچھ ان باتوں کی خبر ہے جو تمہارے متعلق شہر میں گشت کر رہی ہیں۔" میں نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر انہوں نے ساری تفصیل سنائی اور بتایا کہ ان افتراپردازیوں میں منافقین کے ساتھ کچھ مخلص مسلمان بھی شامل ہو گئے ہیں۔ ان میں خود ان کا بیٹا مسطحؓ ام المومنین حضرت زینبؓ کی بہن حمنہؓ اور مشہور شاعر حسانؓ بن ثابت شریک ہیں۔

یہ داستان سن کر میرا خون خشک ہو گیا۔ وہ حاجت بھی بھول گئی جس کے لئے میں آئی تھی۔ سیدھی گھر گئی اور ساری رات رو رو کر کاٹی۔

میرے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کو بلا کر ان سے مشورہ طلب کیا۔ اسامہؓ نے میرے حق میں کلمہ خیر کہا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! بھلائی کے سوا ہم نے کوئی چیز آپؐ کی بیوی میں نہیں پائی، یہ سب کچھ کذب و باطل ہے جو کہا جا رہا ہے۔" رہے حضرت علیؓ تو انہوں نے کہا: "یا رسول اللہ! عورتوں کی کمی نہیں۔ آپ اس کی جگہ دوسری بیوی کر سکتے ہیں اور تحقیق کرنا چاہیں تو خدمت گار لونڈی کو بلا کر حالات دریافت کر لیجئے۔" چنانچہ لونڈی کو بلایا گیا۔ اس نے عرض کی: "اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے ان میں کوئی ایسی برائی نہیں دیکھی جس پر حرف گیری کی جا سکے۔"

سوکنوں میں سے میرا مقابلہ زیادہ تر زینبؓ بنت جحش سے رہتا تھا، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر میرے متعلق ان کی رائے دریافت کی تو انہوں نے کہا:

"یارسول اللہ! خدا کی قسم، میں ان کے اندر بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتی۔"

اس بہتان کی افواہیں ایک مہینے تک شہر میں اڑتی رہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت اذیت میں مبتلا رہے۔ میں روتی رہی۔ میرے ماں باپ شدید غم و رنج اور پریشانی کی وجہ سے نڈھال رہے۔ آخرکار ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھے۔ اس پوری مدت میں آپؐ کبھی میرے پاس نہ بیٹھے تھے۔ میرے ماں باپ بھی یہ سمجھ کر کہ آج کوئی فیصلہ کن بات ہونے والی ہے قریب آگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عائشہ! مجھے تمہارے متعلق یہ خبریں پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو توامید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری برات ظاہر فرما دے گا۔ اور اگر تم کسی گناہ میں مبتلا ہوئی ہو تو اللہ سے معافی مانگو۔ بندہ جب اپنے گناہ کا معترف ہوکرمعافی کا طلبگار ہوتا ہے تو اللہ معاف کردیتا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر میرے آنسو نکل آئے اور میں نے اپنے والد اور والدہ سے کہا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیں لیکن انہوں نے کہا: "ہم حیران ہیں کیا کہیں۔"

اس پر میں نے کہا: "آپ لوگوں کے کانوں میں ایک بات پڑچکی ہے اور دلوں میں بیٹھ گئی ہے۔ اب اگر میں کہوں میں بے گناہ ہوں۔۔ اور اللہ گواہ ہے میں بے گناہ ہوں۔۔۔تو آپ لوگ نہ مانیں گے۔ اور اگر خواہ مخواہ ایسی بات کا اعتراف کرلوں جو میں نے نہیں کی ۔۔۔۔ اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے نہیں کی ۔۔۔۔ تو آپ لوگ مان لیں گے۔ اس حالت میں میرے لئے

اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ وہی بات کہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کہی تھی:

"**فصبر جمیل**" (بہتر صبر ہی میرا سہارا ہے)

یہ کہہ کر میں لیٹ گئی اور دوسری طرف کروٹ لے لی۔ میں اس وقت اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ اللہ میری بے گناہی سے واقف ہے' وہ ضرور حقیقت کھول دے گا اگرچہ یہ بات تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ میرے حق میں وحی نازل ہوگی جو قیامت تک پڑھی جائے گی۔ میں اپنی ہستی کو اس سے کم تر سمجھتی تھی کہ خود اللہ میری طرف سے بولے۔ اتنے میں یکایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو وحی نازل ہوتے وقت ہوا کرتی تھی۔ ہم سب خاموش ہوگئے۔ میں تو بالکل بے خوف تھی مگر میرے والدین کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ وہ ڈر رہے تھے کہ دیکھئے اللہ کیا حقیقت کھولتا ہے۔ جب یہ کیفیت دور ہوئی تو حضورؐ خوش تھے۔ آپؐ نے ہنستے ہوئے جو پہلی بات فرمائی وہ یہ تھی کہ عائشہؓ مبارک ہو اللہ نے تمہاری برات نازل فرمادی۔

اس پر میری ماں نے کہا کہ اٹھو اور (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا شکریہ ادا کرو۔ میں نے کہا نہ میں ان کا شکریہ ادا کروں گی اور نہ تمہارا۔ آپ لوگوں نے تو اس بہتان کا انکار تک نہ کیا۔ میں صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتی ہوں جس نے میری برات نازل فرمائی۔"

اس وقت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی برات میں جو آیات نازل ہوئیں۔ ان کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہے۔

جس نے جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا اور جس شخص نے اس کی ذمے داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لئے تو عذاب عظیم ہے۔ جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا اسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے؟ وہ لوگ اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اب کہ وہ گواہ نہیں لائے ہیں' اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ اگر تم لوگوں پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور رحم و کرم نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے' ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمہیں آلیتا۔ ذرا غور تو کرو اس وقت تم کیسی سخت غلطی کر رہے تھے جبکہ تمہاری ایک زبان سے دوسری زبان اس جھوٹ کو لیتی چلی جا رہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے جس کے متعلق تمہیں علم نہ تھا۔ تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے' حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات تھی۔ کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا۔ سبحان اللہ یہ تو ایک عظیم بہتان ہے۔ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔ اللہ تمہیں صاف صاف ہدایت دیتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔" (سورۃ نور ــــــ آیت ۱۱ تا ۱۷)

ہم نے اس بلاخیز واقعہ افک کی داستان کا اکثر حصہ خود سیدہ صدیقہؓ کی زبانی سنایا ہے جس سے ان کی سیرت کا وہ قابل رشک جوہر سامنے آتا ہے جسے دیکھ کر ایک انسان پیکر حیرت بن جاتا ہے۔ اس ہیجانی اور جذباتی فضا میں بھی ان کی زبان پر افتراپردازوں کے لئے سب و شتم کے الفاظ ہیں نہ کوسنے اور بددعا کے کلمات۔ ایک طرف بے پایاں عجز و انکسار کے جذبات کا اظہار

ہے اور دوسری طرف اپنی سچائی پر یقین کے ساتھ اپنے پروردگار کی بے کراں رحمت پر غیر متزلزل اعتماد۔ اس کے ساتھ حق شناسی اور صاف گوئی کا یہ جرات مندانہ انداز کہ آیات برات کے نزول کے موقع پر فرماتی ہیں کہ میں اپنے ماں باپ اور شوہر کا شکریہ کیوں ادا کروں جبکہ انہوں نے میری صفائی میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ میں تو صرف اس ذات کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میرے حق اور میری صفائی میں اپنی آخری کتاب میں آیتیں نازل فرمادیں۔

اللہ تعالٰی کی طرف سے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی برات ان کا ایسا شرف ہے جس میں امت کی کوئی اور خاتون شریک نہیں۔ اس شرف و اعزاز ہی نے انہیں اس بات کا مستحق بنایا کہ وہ امت کی معلمی کی مسند پر جلوہ افروز ہوئیں اور انہوں نے علم و عرفان کے ایسے فانوس روشن کئے جن سے ان کے روحانی بیٹے تا ابد فیض حاصل کرتے رہیں گے۔

کامیاب معلم کی خصوصیات

ایک کامیاب معلم کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مضمون میں ماہر ہونے کے ساتھ اس کا عام مطالعہ اور مشاہدہ بڑا وسیع ہو۔ اسے اپنے شاگردوں کی ذہنی سطح، ان کی نفسیات اور ان کے طرز معاشرت کا بخوبی علم ہو۔ اس کے ساتھ ماحول میں کارفرما عوامل پر اس کی نگاہ گہری اور عمیق ہو، لیکن یہ خوبیاں صرف گھر بیٹھ کر حاصل نہیں کی جاسکتیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ معاشرتی تعلقات میں وسعت پیدا کی جائے۔ دوردراز کے سفر کی صعوبتیں برداشت کی جائیں۔

سفر کے مواقع

اس نقطہ نظر سے جب ہم سیدہ صدیقہؓ کی سیرت کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ان کے لئے یہ مواقع بھی بڑی فیاضی سے فراہم کردیے تھے۔ حرم نبوی سے وابستہ ہونے کے بعد انہیں کئی مرتبہ حضورؐ

کے ساتھ شریک سفر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان میں حج و عمرے کے سفر بھی تھے اور جہاد کے لئے بھی۔ ان سفروں نے جہاں ان کی نظر میں وسعت، ذہن میں جودت اور طبیعت میں مستعدی پیدا کی وہیں ان میں جفا کوشی اور تحمل شدائد کی بے پناہ صلاحیتیں بھی پروان چڑھائیں۔ جرات و دلیری ان کے کردار کا اہم عنصر تھا' اس لئے خطرناک موقعوں پر بھی ثابت قدمی اور طمانیت قلب کا مظاہرہ کرتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپؐ کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو ازواج مطہرات میں سے بھی کسی ایک کو اپنی ہمرہی کا شرف بخشتے۔ اس انتخاب کے لئے آپؐ قرعہ ڈالتے۔ جس کا نام نکلتا وہی شریک سفر ہو جاتیں۔

۳ھ میں جب غزوہ احد پیش آیا تو بعض روایات کے مطابق سیدہ عائشہؓ بھی اسلامی لشکر کے ساتھ تھیں۔ جب مسلمانوں کے ایک گروہ کی اتفاقی غلطی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور اسلامی لشکر میں افراتفری پیدا ہوگئی تو صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اس وقت سیدہ عائشہؓ اپنی پیٹھ پر مشک لاد کر زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ دشمنوں کے تابڑتوڑ حملوں کی وجہ سے حضور اکرمؐ کا چہرہ مبارک زخمی ہوگیا تو انہوں نے سیدہ فاطمہؓ اور حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب کے ساتھ مل کر آپؐ کے زخموں کو دھویا۔

۵ھ میں عرب کی متحدہ فوج نے مدینے کا محاصرہ کرلیا۔ مسلمانوں نے شہر کے گرد خندق کھود کر اپنا دفاع کیا۔ اس نازک موقع پر حفاظت کی خاطر خواتین اور بچوں کو ایک قلعہ میں جمع کر دیا گیا۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ قلعہ کے باہر آکر محاذ جنگ کا معاینہ کیا کرتی تھیں۔

ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق شعبان ۶ھ میں رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ قبیلہ بنو مصطلق کی سرکوبی کے لئے بحر احمر کے ساحل کی طرف تشریف لے گئے تو اس سفر میں شمولیت کا اعزاز سیدہ عائشہؓ کو حاصل ہوا۔ یہی وہ غزوہ ہے جس میں واقعہ افک پیش آیا۔

جس سفر میں حدیبیہ کے مقام پر اہل اسلام اور قریش کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا' مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق اس میں حضورؐ کے ساتھ ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ اور سیدہ عائشہؓ تھیں۔

۱۰ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف حج کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ یہ آپؐ کی زندگی کا پہلا اور آخری حج تھا۔ اس مقدس سفر میں آپؐ کے ساتھ آپؐ کی تمام ازواج شریک تھیں۔ سیدہ عائشہؓ بھی ان میں شامل تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حج کے متعلق مسائل کا اکثر تفصیلی علم انہی کی بیان کردہ روایات کے ذریعے امت کو حاصل ہوا ہے۔

قدرت نے سیدہ عائشہؓ کو فطری کمال' جودت عقل' سرعت فہم' قوت حافظہ اور اجتہاد فکر کی جو غیر معمولی قوتیں عطا فرمائی تھیں' ان کے ساتھ ہی اس امر کا بھی انتظام کر دیا کہ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری لمحات بھی ان کے پاس گزریں تاکہ وہ آپؐ کے آخری اقوال و افعال محفوظ کر کے امت تک پہنچا سکیں۔

ماہ صفر ۱۱ھ کے آخری دنوں میں سے کوئی دن تھا کہ حضورؐ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لائے۔ وہ سر کے درد سے تڑپ رہی تھیں اور ہائے ہائے کر رہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا: "اگر تم میرے سامنے مرتیں تو میں اپنے

ہاتھ سے تمہاری تجہیز و تکفین کرتا۔" سیدہؓ نے بے تکلفی سے عرض کی:" یا رسول اللہ! شاید آپ نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ اس حجرے میں کوئی نئی بیوی بیاہ کر آئے۔" اسی وقت حضورؐ کے سر میں درد شروع ہو گیا۔ آپؐ نے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:" ہائے میرا سر۔" آپ تیرہ دن بیمار رہے۔ ان میں سے پانچ دن آپؐ نے دوسری ازواج کے ہاں گزارے اور باقی آخری آٹھ دن سیدہ عائشہؓ کے پاس۔

علالت کی شدت کی وجہ سے کمزوری انتہا کو پہنچ گئی:" چنانچہ حضورؐ اپنی مسواک حضرت عائشہؓ کو دے دیتے۔ وہ اپنے دانتوں سے چبا کر اسے نرم کرتیں۔ پھر آپؐ اسے استعمال فرماتے۔

۱۲ ربیع الاول کو رحمت کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ اس وقت آپؐ کا سر مبارک ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے سینے پر رکھا ہوا تھا اور پھر انہی کے حجرہ مبارک کو آپؐ کی آخری اور ابدی آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ اب زندگی کی مصیبتوں میں سے اس مصیبت سے دوچار تھیں جو ایک عورت کے لئے سب سے بڑی مصیبت ہے یعنی بیوگی۔ انیس بیس سال کی عمر میں ان کا سہاگ لٹ چکا تھا۔ غم و اندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے مگر انہوں نے ایک سچی مومنہ، صادقہ اور صابرہ کے حیثیت سے بڑے وقار اور صبر سے اس صدمے کو برداشت کیا۔

سیدہؓ کا علمی مقام

ام المومنین سیدہ عائشہؓ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تقریباً سینتالیس برس اس دنیا میں زندہ رہیں۔ وہ امت کی قابل احترام

ماں تھیں۔ اولاد کی تعلیم و تربیت اب ان کا سب سے اہم اور مقدس فریضہ تھا' چنانچہ انہوں نے اپنی باقی پوری زندگی اسی فرض کی انجام دہی میں صرف کردی۔ علمی حیثیت سے ان کو نہ صرف عام عورتوں پر' نہ صرف امہات المومنینؓ پر' نہ صرف خاص خاص صحابہؓ پر بلکہ چند بزرگوں کو چھوڑ کر تمام صحابہ کرام پر فوقیت عام حاصل تھی' چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے جلیل القدر صحابی ان کے متعلق فرماتے ہیں:

"ہم صحابہ رسولؐ کو کوئی ایسی مشکل کبھی پیش نہیں آئی جس کو ہم نے سیدہ عائشہؓ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں۔" (ترمذی)

عطاء تابعی کا قول ہے:

" ام المومنین حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ فقیہ' سب سے زیادہ صاحب علم اور عوام میں سب سے زیادہ صائب الرائے تھیں۔" (مستدرک حاکم)

حواری رسولؐ کے لخت جگر حضرت عروہ بن زبیرؓ ان کے علمی کمال کے متعلق اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

" قرآن' فرائض' حلال وحرام ' فقہ ' شاعری' طب ' تاریخ اور نسب کا عالم سیدہ عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔" (زرقانی)

اشاعت علم کے لئے اقدامات

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے علم نبوت کو اپنی روحانی اولاد تک منتقل کرنے کے لئے جو اہم اقدامات کیے ان کا احاطہ اس مختصر سے مضمون میں سخت مشکل ہے' تاہم ان میں سے چند کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ چھوٹے بچوں اور بچیوں کو اپنی کفالت میں لے کر ان کی پرورش کرنا اور انہیں تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کرنا۔

۲۔ خواتین کے لئے اپنے گھروں میں حلقہ درس کا قیام۔

۳۔ پردے کی اوٹ سے مسجد نبوی میں موجود علم کے طالبین کو علم کے نور سے منور کرنا۔

۴۔ باہر سے آنے والے وفود کی علمی پیاس بجھانا۔

۵۔ حج کے موقع پر بڑے بڑے حلقہ درس قائم کر کے علم دین کی اشاعت کرنا۔

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال ان کے پس منظر اور سیاق و سباق کے ساتھ روایت کرنا۔

۷۔ روایات کی تصحیح کرنا۔

۸۔ دینی معاملات میں امت کو الجھن پیش آنے کی صورت میں اپنی قوت اجتہاد سے کام لے کر فتویٰ جاری کرنا۔

مندرجہ بالا عنوانات کے تحت سیدہ کے اقدامات کا جائزہ اختصار کے ساتھ لیا جائے گا۔

بچوں کو گود لے کر پرورش کرنا

حضرت عائشہؓ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک دن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ کی تمام بیویوں نے اپنے سابق شوہروں کے بیٹوں کے نام سے اپنی کنیتیں رکھ لی ہیں۔ میں کس نام سے رکھوں؟ آپؐ نے فرمایا: "تم اپنے بیٹے عبداللہ کے نام سے رکھو۔"

یہ عبداللہ حضرت اسماؓ کے صاحبزادے تھے یعنی صدیقہؓ کے بھانجے۔ آپ

نے انہیں بچپن ہی میں گود لے لیا تھا۔ آپ ان سے بے پناہ محبت کرتی تھیں۔ وہ بھی اپنی خالہ اور معلمہ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ یہ صدیقہؓ کی تربیت کا فیض تھا کہ وہ بعد میں حدیث وفقہ اور سیاست و جہانبانی کے آسمان پر نیر درخشاں کی حیثیت سے جلوہ افروز ہوئے۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں یہ معمول بن گیا تھا کہ آپ ذہین اور بے سہارا بچوں اور بچیوں کو اپنی سرپرستی میں لے لیتی تھیں۔ ان کی پرورش کرتیں اور ان کی شادی بھی اپنی سرپرستی میں کرتیں۔ اس سے ان کا مقصد یہی تھا کہ وہ اپنی نگرانی میں ایک ایسی ٹیم تیار کردیں جن کی زندگیاں اور جن کا کردار دوسرے لوگوں کے لئے مثالی نمونے کی حیثیت اختیار کرجائے۔

ان خوش قسمت افراد میں سے مسروق بن اجدع' عمرہ بنت عائشہ' عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ' حضرت ابوبکرؓ کی پوتی اسماء' عروہ بن زبیرؓ' قاسم بن محمد اور ان کے بھائی' عبداللہ بن یزید اور محمد بن ابی بکرؓ کی لڑکیوں کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ سب وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنی مخدومہ سیدہ عائشہؓ سے دین کا علم حاصل کرکے اس کی اشاعت کا فریضہ انجام دیا۔

ان تربیت یافتگان کی علمی وجاہت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام زہری کو جب تحصیل حدیث کا شوق دامن گیر ہوا تو ایک استاد نے ان سے کہا کہ اگر واقعی تمہیں علم کی حرص ہے تو اس کا خزانہ بتاؤں۔ تم عمرہ انصاریہ کے پاس جاؤ۔ وہ حضرت عائشہؓ کی پروردہ ہیں۔ امام زہری کہتے ہیں کہ میں جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں ایک اتھاہ سمندر پایا۔

ام المومنین سیدہ عائشہؓ کا مسلک تھا کہ اگر ایک بالغ لڑکا کسی عورت کا

دودھ پی لے تو اس عورت اور اس کے متعلقین کے ساتھ رضاعت کا رشتہ قائم ہوجاتا ہے' چنانچہ آپ بہت سے لڑکوں کو اپنی بہنوں اور بھانجیوں کا دودھ پلواتی تھیں تاکہ خود ان کی رضاعی خالہ اور نانی بن جائیں اور وہ پردے کی پابندیوں سے آزاد ہوکر آزادی سے ان کے پاس آکر کسب فیض کرسکیں۔
نوٹ۔ اس اجتہادی مسئلے میں حضرت عائشہؓ تنہا ہیں دوسری امہات المومنین کے نزدیک بلوغت میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ جمہور ائمہ مجتہدین اور فقہا اس مسئلے میں دوسری امہات المومنین کے ہم مسلک ہیں اور انہوں نے حضرت صدیقہؓ کا مسلک قبول نہیں کیا۔

خواتین کی تربیت کا خصوصی انتظام

حضرت عائشہؓ کی سفارش پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لئے خاص دن اور خاص وقت مقرر فرمادیا تھا۔ وقت مقررہ پر وہ کاشانہ نبوی پر حاضر ہوجاتیں۔ دین کے احکام معلوم کرتیں اور اپنے مسائل کا حل دریافت کرتیں۔ آپؐ کے وصال کے بعد حضرت عائشہؓ کے گھر پر یہ درسگاہ باقاعدہ قائم رہی۔ خواتین بڑے ذوق و شوق سے اس میں شریک ہوتیں۔ ان استفادہ کرنے والی خدا کی بندیوں کی مکمل فہرست مرتب کرنا تو ناممکن ہے کیونکہ فیض کا یہ سلسلہ بڑا عام تھا' لیکن علمائے حدیث نے حضرت عائشہؓ کی مرویات کو جن راویوں کے ذریعے سے بیان کیا ہے' ان میں پچاس کے قریب خواتین کے نام بھی شامل ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا سیدہؓ کے ساتھ تعلیم و تعلم کا مستقل رشتہ قائم تھا۔ چند کے اسمائے گرامی تبرکاً پیش خدمت ہیں: (۱) بریرہ مولاۃ عائشہؓ (۲) حفصہ بنت عبدالرحمٰنؓ (۳) خیرہ

کی ماں، ۴۔ زینب بنت ابی سلمہ، ۵۔ صفیہ بنت شیبہ، ۶۔ عائشہ بنت طلحہؓ، ۷۔ فاطمہ بنت ابی حبیش، ۸۔ معاذہ میمونہ بنت عبدالرحمٰن، ۹۔ ام سالم، ۱۰۔ ام کلثوم بنت شمامہ۔

عام درسگاہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ علم و معرفت کی قندیلیں اپنے ہاتھوں میں لے کر پورے عالم اسلام کو منور کرنے کے لئے مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور ان معلمین علم و اخلاق نے مرکزی شہروں مثلاً" مکہ معظمہ، طائف، بحرین، یمن، کوفہ، بصرہ اور دمشق میں علم دین کی ترویج و اشاعت کے مراکز قائم کیے۔ حضورؐ کے ۲۷ سال بعد گو مدینہ منورہ سے سیاسی مرکزیت کوفہ ہوتے ہوئے دمشق منتقل ہو گئی، لیکن اس انقلاب کے باوجود مدینہ منورہ کی روحانی اور علمی عظمت میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس وقت ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، زیدؓ بن ثابت اور ابوہریرہؓ کی درسگاہیں مرجع خاص و عام کا مقام حاصل کر چکی تھیں لیکن سب سے پررونق اور پرہجوم وہ درس گاہ تھی جو مسجد نبوی کے اس گوشے میں واقع تھی جو حجرہ صدیقہؓ سے متصل تھا۔ حجرے کے اس دروازے پر جو مسجد کی طرف کھلتا تھا، پردہ ڈال دیا جاتا اور سیدہ اوٹ میں بیٹھ جاتیں اور لوگ حجرے کے سامنے مسجد میں بیٹھ جاتے۔ وہ سوالات کرتے جاتے، یہ جواب دیتی جاتیں۔ کبھی کوئی بحث چھڑ جاتی اور استاد شاگرد اس میں حصہ لیتے۔ کبھی خود کسی موضوع پر تقریر شروع کر دیتیں اور لوگ خاموشی سے سنتے۔ اس مجلس میں جلیل القدر صحابہؓ بھی ہوتے اور بلند پایہ تابعیؒ بھی۔ اس مجلس میں قرآنی آیات کے مطالب و معانی، ارشادات رسولؐ کی توضیح و تشریح اور عام معاملات زندگی پر دینی احکام

کی تطبیق جیسے اہم مسائل زیر بحث آتے اور شاگرد اپنے روحانی اور علمی استاد کی مجتہدانہ آراء سے استفادہ کرتے۔

مخلصانہ

سیدہ عائشہؓ کا طرز عمل اپنے شاگردوں کے ساتھ بڑا مشفقانہ اور مخلصانہ تھا۔ وہ اپنی اس شفقت سے ان میں حصول علم کا جذبہ پیدا کرتیں۔ وہ جب یہ محسوس کرتیں کہ ان کا کوئی شاگرد کسی بات کے دریافت کرنے میں ہچکچاہٹ سے کام لے رہا ہے یا شرم کا جذبہ رکاوٹ بن رہا ہے تو بڑے محبت بھرے انداز میں فرمائیں: "میں تمہاری ماں ہوں۔ اگر تم اپنی دل کی بات ماں سے نہ کرو گے تو اور کس سے کرو گے؟"

سیدہؓ کا ادبی ذوق بڑا پختہ اور بلند تھا' اس لئے دوران تدریس شاگردوں کے تلفظ کی اصلاح کی طرف بھی توجہ فرماتیں۔

یہی وہ شاگرد ہیں جنہوں نے سیدہ موصوفہؓ سے دین کے احکام کا علم حاصل کر کے بڑی احتیاط سے امت کی آنے والی نسلوں تک پہنچایا جو قیامت تک کے لئے محفوظ ہے۔

باہر سے آنے والے وفود پر نظر کرم

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی تربیت گاہ کے فیض کے دروازے مدینے والوں کے لئے تو ہر وقت کھلے تھے جس سے چھوٹے بڑے اور مرد و زن اپنی اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق فیض یاب ہوتے رہتے تھے لیکن سیدہ پوری امت مسلمہ کی ماں تھیں' اس لئے باہر سے بھی لوگ مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے۔ روضہ اطہر کی زیارت کے بعد اپنی روحانی ماں کی خدمت میں حاضر ہو کر نذرانہ عقیدت پیش کرتے اور انہیں اسرار نبوت کے لازوال خزانے کا امین سمجھتے ہوئے رہنمائی کے طلبگار ہوتے۔ آپ ان سے عزت و تعظیم سے پیش آتے۔

آتیں۔ بیچ میں پردہ حائل ہوتا۔ آنے والے مختلف مسائل اور پیچیدہ شبہات پیش کرتے اور جوابات سن کر تشفی پاتے۔

مردوں کے علاوہ عورتوں کے وفد بھی بیرونی علاقوں سے حاضر خدمت ہوتے۔ آپ ان کی باتیں سنتیں۔ دین کی حقیقتوں کو ان پر واضح کرتیں اور عجمی قوموں سے اختلاط کے سبب جو غیر اسلامی رسوم اور افکار و نظریات اسلامی معاشرے میں رواج پذیر ہونے لگے تھے' ان پر سختی سے تنقید فرماتیں۔ مثلاً" ایک دفعہ شام سے کچھ عورتیں آپ کی زیارت کے لئے آئیں۔ ملک شام میں رواج تھا کہ عورتیں حمام میں جاکر برہنہ غسل کرتی تھیں۔ ان سے فرمایا کیا تم ہی وہ ہو جو حماموں میں جاتی ہو' حالانکہ ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جو عورت اپنے گھر سے باہر اپنے کپڑے اتارتی ہے۔ وہ اپنے اور خدا کے مابین پردہ دری کرتی ہے۔" (مسند)

۲۔ بصرے سے کچھ عورتیں حاضر خدمت ہوئیں۔ ان سے کہا کہ مجھے مردوں کو ٹوکتے ہوئے شرم آتی ہے' اس لئے تمہیں تاکید کرتی ہوں کہ اپنے اپنے شوہروں کو بتادو کہ وہ پانی سے استنجا کریں کہ یہ مسنون طریقہ ہے۔ (مسند احمد)

۳۔ فتنہ پردازوں کی ریشہ دوانیوں کے نتیجے میں لوگوں میں خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے خلاف اس قدر ناراضی اور برہمی پھیلنی شروع ہوئی کہ بعض لوگ ان پر لعنت بھیجنے لگے۔ بصرے کے ایک رئیس مخارق بن شمامہ نے اپنی بہن کو سیدہؓ کی خدمت میں بھیجا کہ اس عام مصیبت کے متعلق وہ اپنی رائے ظاہر فرمائیں۔ صدیقہؓ نے اپنے رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"میرے بیٹوں کو میری طرف سے سلام کے بعد کہہ دینا کہ میں نے اسی حجرے میں یہ منظر دیکھا ہے کہ حضورؐ تشریف فرما ہوتے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آتے۔ حضرت عثمانؓ بھی پاس ہوتے۔ آپؐ ان کے کاندھے پر ہاتھ مار کر کہتے:"ہاں عثمان یہ لکھو۔" خدائے بزرگ یہ بلند مرتبہ فروتر لوگوں کو عطا نہیں کرسکتا۔ اس بنا پر جو عثمان کو گالیاں دے اس پر خدا کی لعنت ہو۔" (ادب المفرد)

حج کے موسم میں حلقہ درس و ارشاد

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ ھ میں اپنی زندگی کا آخری حج ہزاروں مسلمانوں کے ساتھ ادا کیا۔ سیدہ عائشہؓ بھی ساتھ تھیں۔ حضورؐ کا ارشاد مبارک تھا کہ عورتوں کا جہاد ان کا حج ہے۔ اسی ارشاد کی تعمیل میں سیدہ عائشہؓ حضورؐ کے وصال کے بعد ہر سال حج پر جایا کرتی تھیں اور انہوں نے اپنا یہ معمول زندگی کے آخر تک جاری رکھا۔ اس معمول سے سیدہؓ کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ تمام عالم اسلام سے آنے والے مسلمانوں کو یہ موقع مل جائے کہ وہ آسانی سے اپنے نبیؐ کی تعلیمات کی تفاصیل اور حکمتیں ان سے معلوم کرسکیں۔ امت کو بھی یہ معلوم تھا کہ ان کی یہ ماں منبع علم وحکمت اور خزینہ دانش و معرفت ہے' اس لئے حج کے موسم میں سیدہ عائشہؓ کی قیام گاہ لاکھوں مسلمانوں کے دلوں کا مرکز و محور بن جاتی تھی۔ عورتیں چاروں طرف سے گھیر لیتیں۔ وہ امام و پیشوا کی صورت میں آگے آگے اور تمام عورتیں ان کے پیچھے پیچھے چلتیں۔

اسی دوران میں ارشاد و ہدایت کے فرائض بھی انجام پاتے جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت کو دیکھا اس کی چادر پر صلیب کے نقش و نگار تھے۔

فوراً" چادر اتارنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایسے کپڑوں کو دیکھتے تو پھاڑ ڈالتے۔

۲۔ خانہ کعبہ پر ہر سال نیا غلاف چڑھایا جاتا تھا اور پرانا اتار لیا جاتا تھا۔ سیدہ عائشہؓ کے زمانے میں خانہ کعبہ کے متولی ادب کی بناء پر پرانے غلاف کو گہرے گڑھے میں دفن کر دیتے تھے تاکہ ناپاکی کی حالت میں کوئی اس کو پہن نہ لے۔ سیدہؓ نے جو شریعت کی نکتہ شناس تھیں' اس تعظیم کو غیر شرعی قرار دیا کیونکہ خدا اور رسولؐ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ اس رواج سے سوئے اعتقاد کے پھیلنے کے امکانات تھے' اس لئے کعبہ کے متولی شیبہؓ بن عثمانؓ سے کہا: "پرانے غلاف کو گڑھے میں دفن کر دینا تو کوئی اچھی بات نہیں۔ جب وہ کعبہ سے اتر ہی گیا تو اگر کسی نے اسے ناپاکی کی حالت میں پہن لیا تو کوئی مضائقہ نہیں۔ تم اسے بیچ دیا کرو اور جو رقم وصول ہو وہ غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو۔" اس کے بعد شیبہؓ نے اس ہدایت پر عمل شروع کر دیا۔

۳۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ حج کے قافلے کے ساتھ مدینہ واپس آرہی تھیں۔ اسی قافلے میں عظیم المرتبت صحابی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جب قافلہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو انہیں اپنی بیوی کے انتقال کی خبر ملی۔ خبر سن کر سارے مجمع کے سامنے منہ پر کپڑا رکھ کر زار و قطار رونے لگے۔ سیدہ صدیقہؓ کو ان کی یہ حرکت معیار صبر و ضبط کے منافی معلوم ہوئی' چنانچہ انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "آپ رسولؐ اللہ کے صحابی ہیں اور آپ کو اسلام کی اولیت کا شرف بھی حاصل ہے' لیکن ایک عورت کی موت پر اس طرح بلک بلک کر رو رہے ہو۔"

خاتم النبین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خصوصی معجزہ ہے کہ خداوند کریم نے ان کو وفاشعاروں کی ایک ایسی جماعت عنایت فرمائی جس نے اپنے ہادی و رہنما کی زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو کو بڑی صفائی اور سچائی کے ساتھ نوع انسانی کے سامنے پیش کردیا تاکہ وہ اس منارہ ہدایت سے زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی حاصل کرسکے۔ اسی وفا پیشہ جماعت میں ام المومنین سیدہ عائشہؓ ایک ممتاز و منفرد مقام پر فائز ہیں کیونکہ بیوی کی حیثیت سے انہیں ایسے مواقع میسر تھے جو دوسروں کو نصیب نہیں تھے مگر یہ سیدہؓ کا ایثار ہے کہ انہوں نے حضورؐ کی نجی زندگی کے وہ پہلو بھی آشکارا کردیے جنہیں ایک رفیقہ حیات کسی طور بھی ظاہر کرنا گوارا نہیں کرتی۔ سیدہؓ بے پناہ قوت حافظہ اور اجتہادو استنباط کی صلاحیت سے بہرہ ور تھیں' اس لئے وہ کسی حدیث کو روایت کرتے وقت اس کے سیاق و سباق اور احکام کے اسرار و مصالح کو اس خوبی سے بیان کرتی تھیں کہ زیر بحث مسئلہ اور معاملہ کسی ابہام کے بغیر سامنے آجاتا تھا۔ اس کی وضاحت کے لئے ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

۱۔ جمعہ کے دن غسل کرنا چاہئے۔ اس موضوع پر صحیح بخاری میں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ' حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت عائشہؓ کی بیان کردہ حدیثیں پہلو بہ پہلو موجود ہیں۔ ان تینوں روایتوں کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ فرق بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ اس طرح روایت کرتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو جمعہ میں آئے وہ غسل کرے۔"

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ان الفاظ میں ہے:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ پر فرض ہے۔"

اسی مسئلے کو حضرت عائشہؓ بدیں الفاظ روایت کرتی ہیں:

"لوگ اپنے اپنے گھروں اور مدینے کے باہر کی آبادیوں سے آتے تھے۔ گرد و غبار اور پسینے سے شرابور ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ان میں سے ایک صاحب حضورؐ کے پاس آئے۔ آپؐ میرے پاس بیٹھے تھے۔ آپؐ نے فرمایا بہتر ہوتا اگر تم اس دن غسل کر لیا کرتے۔"

۲۔ ایک سال حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن کے اندر اندر کھا لیا جائے۔ بعض صحابہؓ کرام اور خاص کر حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ نے اسے دائمی حکم سمجھ کر اسی کے مطابق ہدایتیں دیں، لیکن حضرت عائشہؓ نے اس معاملے کو وقتی اور استحبابی قرار دیا اور اپنے موقف کی وضاحت میں اس حکم کا پس منظر اس طرح بیان کیا:

"قربانی کے گوشت کو ہم نمک لگا کر رکھ چھوڑتے تھے۔ مدینے میں اس کو حضورؐ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "تین دن کے بعد نہ کھایا کریں۔" یہ حکم قطعی نہ تھا بلکہ آپ چاہتے تھے کہ لوگ دوسروں کو کچھ اس میں سے کھلا دیا کریں۔" (بخاری)

اس معاملے کی مزید وضاحت ایک شخص کے استفسار پر فرما دی۔ اس نے پوچھا تھا اماں جان! کیا تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانا منع ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا:

"نہیں۔ ان دنوں قربانی کرنے والے کم تھے، اس لئے آپؐ نے چاہا کہ

جو قربانی نہیں کر سکے ان کو کھلائیں۔" (ترمذی)

۳۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کا امت مسلمہ پر یہ احسان عظیم ہے کہ انہوں نے اپنی روحانی اولاد کو دین اسلام کی تعلیمات اور اس کے احکام و قرامین سے روشناس کرانے کے لئے دو ہزار دو سو دس احادیث رسولؐ روایت کیں۔ احادیث کی اتنی کثیر تعداد بیان کرنے کے اس اعزاز میں امت کی کوئی خاتون ان کی شریک نہیں، اس لئے وہ صحیح معنوں میں محسنہ امت بھی ہیں۔ احادیث و مسانید کی کتابوں کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی احادیث کو روایت کرنے والوں کی تعداد دو سو سے بھی زیادہ ہے۔ یہ سب آپ کی درسگاہ کے فیض یافتہ ہیں۔ ان میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت زیدؓ بن خالد، حضرت ربیعہؓ بن عمر، سائبؓ بن زیدؓ اور حارثؓ بن عبداللہ جیسے بلند مرتبہ صحابہ کرام بھی شامل ہیں۔ قریبی عزیزوں میں ام کلثوم بنت ابی بکر(ان کی بہن)، عوف بن حارث (رضاعی بھائی)، قاسم بن محمد، عبداللہ بن محمد (دونوں بھتیجے)، حفصہ بنت عبدالرحمٰن، اسماء بنت عبدالرحمٰن (دونوں بھتیجیاں) قاسم بن زبیر، عبداللہ بن زبیر(دونوں بھانجے) اور بہت سے دوسرے عزیزوں کے نام قابل ذکر ہیں۔ تابعین میں سے تمام علمائے حدیث بھی انہی کے خوشہ چیں ہیں جن کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ ہے۔

سیدہؓ کی روایت کردہ احادیث اتنی اہم اور ہمہ پہلو ہیں کہ ان سے اخذ کردہ مسائل و احکام کا مجموعہ مرتب کیا جائے تو وہ اسلامی قانون کے مکمل مجموعے کے چوتھائی حصے سے بھی زیادہ پر مشتمل ہوگا۔ بالخصوص نسوانی مسائل کا زیادہ تر دارومدار انہی کی بیان کردہ روایات پر ہے۔

روایات کی تصحیح

ایک کامیاب اور درد مند معلم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی غلطیوں کی اصلاح بروقت احسن طریقے سے کرے ورنہ یہی غلطیاں بعد میں سند کا درجہ حاصل کرلیتی ہیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ امت محمدیہ کی شفیق و رحیم معلمہ تھیں اس لئے انہوں نے اصلاح کا یہ فرض بڑی دانشمندی سے ادا کیا تاکہ کتاب و سنت کا علم اپنی اصلی شکل اور روح کے ساتھ آنے والی نسلوں تک پہنچے۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار خدائے عزو جل کو دیکھا ہے۔ مسروق تابعی جو حضرت عائشہؓ کے شاگرد تھے یہ روایت سن کران کے پاس آئے اور اس کا ذکر کیا۔ ابن عباسؓ کی یہ روایت سن کرام المومنین نے فرمایا:

"تم نے ایسی بات کہی جسے سن کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ جو تم سے یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے۔ پھر قرآن کی یہ آیت تلاوت کی جس کا ترجمہ ہے:

"نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے کہ وہ ذات لطیف ہے اور دانا ہے۔" (سورہ انعام۔ آیت ۱۰۴)

۲۔ لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدشگونی تین چیزوں میں ہے:"عورت میں گھر میں اور گھوڑے میں۔"

اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ صحیح نہیں۔ ابو ہریرہؓ نے آدھی بات سنی اور آدھی بات نہیں سنی۔ جب وہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلا

فقرہ کہہ چکے تھے۔ دراصل آپؐ نے فرمایا تھا:

"یہود کہتے ہیں کہ بدشگونی تین چیزوں میں ہے: عورت میں، گھر میں اور گھوڑے میں۔"

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ ایک روایت بیان کرتے تھے جس میں مذکور تھا کہ ایک عورت نے ایک بلی باندھ لی اور اسے کھانے پینے کو کچھ نہیں دیا۔ وہ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اس کی وجہ سے عورت کو عذاب ہوا۔

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ سیدہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا کیا تم ہی ہو جو ایک بلی کے بدلے ایک عورت کے عذاب کی روایت بیان کرتے ہو؟ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے۔" اس پر سیدہؓ نے فرمایا: "خدا کی نظر میں ایک مومن کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ ایک بلی کے لئے اسے عذاب میں مبتلا کرے۔ وہ عورت اس گناہ کے علاوہ کافرہ بھی تھی۔ ابوہریرہؓ! جب رسولؐ خدا سے کوئی بات روایت کرو تو دیکھ لیا کرو کہ کیا کہتے ہو۔"

۴۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کا جب انتقال ہونے لگا تو انہوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہنے اور سبب یہ بیان کیا کہ مسلمان جس لباس میں مرتا ہے اسی میں اٹھایا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا:

"خدائے پاک ابوسعیدؓ پر رحمت نازل کرے۔ لباس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک انسان کے اعمال ہیں ورنہ آپؐ کا تو یہ صاف ارشاد ہے کہ قیامت میں لوگ برہنہ تن، برہنہ پا اور برہنہ سر اٹھیں گے۔"

۵ - حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور بعض دیگر صحابہ روایت کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مردے پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔"

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت بیان کی گئی تو انہوں نے اس کی صحت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کبھی نہیں فرمایا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن آپؐ ایک یہودیہ کے جنازے کے پاس سے گزرے۔ اس کے رشتہ دار اس پر نوحہ و زاری اور ماتم کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "یہ روتے ہیں اور اس پر عذاب ہو رہا ہے۔" رونا عذاب کا سبب نہیں بلکہ دونوں واقعے الگ الگ ہیں۔ یعنی یہ نوحہ اس کی موت پر کرتے ہیں اور مرنے والا اپنے گزشتہ اعمال کی سزا میں مبتلا ہے، کیونکہ رونا دوسروں کا فعل ہے جس کا عذاب یہ رونے والے خود اٹھائیں گے، مردہ اس کا ذمے دار کیوں ہو؟ ہر شخص اپنے فعل کا جواب دہ ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

"اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔"

حضرت ابن عمرؓ نے جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اس بیان اور استدلال کو سنا تو کوئی جواب نہ دے سکے۔

۶ - حضرت عمرؓ اور متعدد صحابہؓ سے مروی ہے کہ صبح اور عصر کی نمازوں کے بعد کسی قسم کی کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ روایت سن کر فرمایا کہ خدا عمرؓ پر رحم کرے، ان کو وہم ہوا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا:

"آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت کو تاک کر نماز نہیں پڑھنی

چاہیے۔"

فقہائے کرام نے ان اوقات میں نماز کی ممانعت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ آفتاب پرستی کے اوقات ہیں' اس لئے ان کی مماثلت سے احتراز کرنا چاہیے۔

اختلافی معاملات میں امت کی رہنمائی

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی اصابت رائے' دینی معاملات میں اجتہادی بصیرت اور علم نبوت میں ان کا فضل و کمال صحابہ کرام اور تابعین عظام کے نزدیک مسلم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے اسلام' علمائے امت اور عام افراد ملت باہمی اختلاف کی صورت میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان کا فیصلہ فتوے کی حیثیت اختیار کرلیتا تھا۔ اس قسم کے فتووں کو اگر مرتب کیا جائے تو ایک ضخیم دفتر بنتا ہے۔ مجتہدین کرام اور اسلامی قانون کے ماہر فقہائے انہی فتووں کی بنیاد پر انسانی زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے شرعی احکام مستنبط اور مرتب کیے ہیں۔

خلفائے راشدین خصوصاً" حضرت عمرؓ کے عہد میں ہر شخص کو فتویٰ صادر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ اہم ذمے داری چند بالغ النظر اور وسیع العلم صحابہ کرام کے سپرد تھی جن میں حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' حضرت عبداللہؓ بن مسعود' حضرت معاذؓ بن جبل' حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت زیدؓ بن ثابت کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ عہد عثمانی میں ان میں سے اکثر بزرگوں کے انتقال کے بعد امت نے اس مقصد کے لئے حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابن عمرؓ' حضرت جابرؓ بن عبداللہ' حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ جیسے اساطین علم کی طرف رجوع کیا' لیکن سیدہ عائشہؓ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سے اپنی زندگی کے آخری ایام تک منصب افتاء پر فائز رہیں' چنانچہ مدینہ کے مشہور نامور تابعی حضرت قاسم اپنا مشاہدہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت ہی میں مستقل طور پر افتاء کا منصب حاصل کرچکی تھیں۔ حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد آخری زندگی تک وہ برابر فتویٰ دیتی رہیں۔

امیر معاویہؓ کا پائے تخت دمشق تھا لیکن ضرورت پڑنے پر ان کا قاصد معلمہ امت کے دروازے پر حاضری دیتا اور خلیفہ وقت کی طرف سے مسائل دریافت کرتا اور وعظ و نصیحت کا طلب گار ہوتا۔

ذیل میں چند ایسی مثالیں بیان کی جاتی ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ بعض مسائل میں اکابر صحابہؓ کے مابین اختلاف کی صورت میں سیدہؓ کا فتویٰ سند تسلیم کیا جاتا تھا:

۱۔ حضرت ابودرداؓ فتویٰ دیتے تھے کہ اگر کسی نے تہجد کے خیال سے وتر نہ پڑھے اور اتفاقاً آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے صبح ہوگئی تو وتر کا وقت نہیں رہتا۔ لوگوں کو تسلی نہ ہوئی۔ وہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے۔ سیدہؓ نے فرمایا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی صورت میں صبح ہوجانے پر بھی وتر ادا فرمالیتے تھے۔"

۲۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے درمیان افطار کے وقت کے متعلق اختلاف تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ جلد افطار کرتے اور پھر فوراً نماز مغرب کے لئے کھڑے ہوجاتے۔ حضرت ابوموسیٰؓ دونوں کاموں میں تاخیر کرتے تھے۔ لوگوں نے اس مسئلہ میں سیدہؓ سے فتویٰ چاہا۔

آپ نے دریافت فرمایا کہ افطار و نماز میں کون صاحب تعجیل سے کام لیتے ہیں۔ لوگوں نے کہا: " ابن مسعودؓ " اس پر فرمایا: " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہی تھی۔ " (نسائی)

اگر کوئی شخص حج کو نہ جائے اور اپنی قربانی کا جانور مکہ معظمہ بھیج دے۔ اس صورت میں اس شخص کی کیا حالت سمجھی جائے گی؟ حضرت ابن عباسؓ فتویٰ دیتے تھے کہ ایسا شخص بحالت حج سمجھا جائے گا اور حاجی پر جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں وہ اس پر بھی عائد ہوں گی۔ اس زمانے میں زیاد حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے حجاز کا گورنر تھا۔ اس نے سیدہؓ کی خدمت میں استفتاء بھیجا جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا:

" ابن عباسؓ کا فتویٰ درست نہیں۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے جانوروں کی بدھیاں اپنے ہاتھ سے بٹی ہیں اور میرا باپ ان جانوروں کو لے کر کعبہ گیا' لیکن جو چیزیں خدا نے حلال کی ہیں' ان میں سے کسی چیز سے بھی آپؐ نے اس عرصے میں اجتناب نہیں فرمایا۔" (بخاری)

امام زہری کے بیان کے مطابق لوگوں کو جب اس فتوے کا علم ہوا تو سب نے اس پر عمل کیا اور حضرت ابن عباسؓ کے فتوے پر عمل ترک ہوگیا۔

۴ ۔ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ اگر کوئی حاملہ عورت بیوہ ہوجائے اور چند روز کے بعد وضع حمل ہوجائے تو اس کی عدت کا زمانہ کتنا ہوگا؟ قرآن مجید میں دونوں کے متعلق علیحدہ علیحدہ احکام ہیں۔ بیوگی کے لئے چار ماہ دس دن اور حاملہ کے لئے تا

وضع حمل۔ ابن عباسؓ نے کہا: "ان دونوں میں سے جو سب سے زیادہ مدت ہوگی وہ زمانہ عدت ہوگا۔" ابو ہریرہؓ کا کہنا تھا: "وضع حمل کے بعد عدت کی مدت ختم ہوجائے گی۔" دونوں میں کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ لوگوں نے سیدہ عائشہؓ کی طرف رجوع کیا۔ آپ نے فرمایا:

"اس صورت میں عدت کا زمانہ وضع حمل تک ہے۔ اس کا ثبوت "سبعہ" کے واقعے میں موجود ہے۔ انہیں بیوگی کے تیسرے دن ہی ولادت ہوگئی اور اسی وقت ان کو دوسرے نکاح کی اجازت مل گئی۔"

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے قول کے مطابق سیدہؓ موصوفہ کا یہ فیصلہ اتنا مدلل تھا کہ جمہور کا اسی پر عمل ہے۔

طبقہ نسواں پر سیدہ عائشہؓ کے احسانات

ام المومنین سیدہ عائشہؓ پوری امت مسلمہ کی رحیم ماں' شفیق محسنہ اور قابل احترام معلمہ تھیں اور انہوں نے اپنی پوری زندگی اپنی روحانی اولاد کی تعلیم و تربیت' اس کی خیرخواہی و ہمدردی اور اسے مشکوۃ نبوت کے نور سے منور کرنے میں صرف کردی۔ اس عمومی شفقت کے باوجود صنف نازک کے ساتھ ان کی دلچسپی اور دل سوزی کی کیفیت خاص رنگ لیے ہوئے تھی۔ اس کی ایک وجہ تو اس طبقہ کے ساتھ ان کی فطری مناسبت تھی - دوسرے سیدہؓ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھیں کہ اسلام سے پہلے تمام انسانی معاشروں میں عورت انسانی عزو شرف اور بنیادی حقوق سے محروم رہی ہے اور صرف اسلام ہی وہ دین فطرت ہے جس نے اسے ذلت کی گہرائیوں سے اٹھا کر عزت کی بلندیوں پر سرفراز کیا ہے۔

سیدہ عائشہؓ نے اپنے اسی فطری تعلق اور دین اسلام کے ترجمان و

شارح ہونے کی حیثیت سے طبقہ نسواں کے حقوق کی بحالی' ان کی عزت نفس کو بلند کرنے اور ان کی فطری مجبوریوں کے پیش نظر انہیں خصوصی مراعات کا مستحق قرار دینے میں جو نمایاں کردار ادا کیا ہے اس کی تفصیلات سے اسلامی قانون کی پوری تاریخ بھری پڑی ہے۔

سیدہ عائشہؓ نے اپنے کردار اور اپنے طرز عمل سے پوری دنیا پر یہ ثابت کردیا کہ عورت اسلام کی عائد کردہ تمام پابندیوں کے باوجود علمی' مذہبی' اجتماعی' پندوموعظت' اصلاح و ارشاد اور ملک و ملت کی بھلائی کے کام انجام دے سکتی ہے۔ اس طرح سیدہؓ نے اپنی ہم جنسوں کے سامنے ایک ایسا ولولہ انگیز اور ہمت افزا نمونہ پیش کیا جس سے ان میں اپنے مرتبے اور مقام کی برتری کا احساس اجاگر ہوا۔ اور ان میں بے پناہ قوت عمل بیدار ہوئی جس کے نتیجے میں اس امت میں ایسی بے شمار ہستیاں پیدا ہوئیں کہ گو ان کا تعلق جنس نسوانی سے تھا' لیکن اخلاص و للہیت ' زہدو اطاعت'علم و ادب اور دینی علوم کی ترویج و اشاعت میں انہوں نے وہ عظمت حاصل کی کہ اجل آئمہ کرام بھی ان کے خرمن فیض سے خوشہ چینی کرنا اپنے لئے اہم سعادت تصور کرتے ہیں۔ سیدہؓ کا یہ عملی کردار اس طبقے پر احسان عظیم ہے۔

سیدہ عائشہؓ کا دوسرا اہم احسان طبقہ خواتین پر یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپؐ کے اور خواتین کے درمیان ایک اہم اور مضبوط واسطے کی حیثیت سے فرائض انجام دیتی رہیں۔ صحابیات اپنی عرضداشتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان ہی کی معرفت پہنچاتی تھیں اور سیدہؓ امکانی حد تک ان کی حمایت کرتی تھیں جس کے نتیجے میں زبان رسالت مآبؐ سے ایسی ہدایات اور فیصلے جاری ہوئے جو قیامت

موعظت

تک کے لئے ان کے انسانی، اخلاقی اور معاشرتی حقوق کی ضمانت دینے والے چارٹر کی حیثیت اختیار کر گئے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

حضرت عثمانؓ بن مظعون ایک عبادت گزار اور پارسا صحابی تھے۔ ان کی طبیعت پر زہد و رہبانیت کا بڑا غلبہ تھا۔ ایک دن ان کی بیوی حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں۔ وہ ہر قسم کی نسوانی زیب و آرائش سے خالی تھیں۔ سیدہؓ نے ان سے طبیعت کی اس ویرانی کا سبب پوچھا۔ وہ شرم و حیا کی وجہ سے کھل کر بات نہ کر سکیں، لیکن باتوں باتوں میں اتنا ضرور کہا کہ میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات کا تمام وقت نفلی نمازوں کی ادائیگی میں بسر کر دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو سیدہؓ نے اس صورت حال کا تذکرہ آپؐ سے کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً حضرت عثمانؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

"اے عثمان! ہمیں رہبانیت کا حکم نہیں ملا ہے۔ کیا میرا طرز زندگی پیروی کے لائق نہیں! میں تم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور اس کے احکام کی سب سے زیادہ نگہداشت کرتا ہوں اور بیویوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف بھی توجہ دیتا ہوں۔"

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے اپنے طرز عمل میں اعتدال کی روش اپنالی۔

ایک عورت کو چوری کے جرم میں سزا دی گئی۔ اس کے بعد اس نے توبہ کر کے نیکی کی راہ اختیار کر لی، لیکن پھر بھی کچھ خواتین اس سے ملنا جلنا پسند نہ کرتی تھیں۔ وہ حضرت عائشہؓ کے پاس اکثر آتی تھی اور آپ اس سے محبت بھرے انداز میں ملتیں بلکہ ضرورت کے وقت اس کی درخواست حضورؐ

کی خدمت میں پہنچا دیتیں۔

ایک خاتون کو اس کے شوہر نے زد و کوب کیا جس سے بدن پر نیل پڑ گئے۔ وہ فریادی بن کر ام المومنین کے آستانے پر پہنچی اور اپنا بدن دکھایا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو سیدہؓ نے اس بی بی کی تکلیف بھری داستان آپؐ کے سامنے ان الفاظ میں بیان کی:

"یا رسول اللہ! مسلمان بیبیاں جو تکلیف اٹھاتی ہیں میں نے اس کی مثال نہیں دیکھی۔ اس بے چاری کا بدن اس کے کپڑے سے زیادہ سبز ہو رہا ہے۔"

خاوند کو جب معلوم ہوا کہ اس کی بیوی بارگاہ نبوت میں پہنچ گئی ہے تو وہ دوڑا ہوا آیا' آپؐ نے فریقین سے تنازعے کی تفصیل معلوم کی تو پتہ چلا کہ قصور دونوں کا تھا۔ ایسے ہی کسی موقع پر حضورؐ نے مردوں کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

"اے لوگو' اللہ کی باندیوں یعنی اپنی بیویوں کو مت مارو۔ اپنی بیویوں کو مارنے والے مرد تم میں سے بہتر لوگ نہیں ہیں۔ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلیوں میں سب سے زیادہ اوپر کا حصہ ٹیڑھا ہے۔ اس کو سیدھا کرو گے تو ٹوٹ جائے گی اور اگر اس کو چھوڑے رہو تو ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔" (بخاری۔ ابوداؤد)

ام المومنین سیدہ عائشہؓ کا اپنے ہم جنس طبقے پر تیسرا احسان یہ ہے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی ایسے افکار و خیالات کا پوری شدت و جرات سے دفاع کیا جس سے عورت کی ذلت و پستی کا ادنیٰ سے ادنیٰ احساس ابھرتا تھا۔

آپ ایسے لوگوں کا سختی سے محاسبہ کرتی تھیں جو عورت کو ایک ذلیل مخلوق تصور کرتے تھے مثلاً" حضرت ابوہریرہؓ نے روایت بیان کی کہ اگر نماز کی حالت میں نمازی کے سامنے سے عورت' کتا یا گدھا گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ سیدہؓ کو جب اس روایت کا علم ہوا تو فرمایا:

"تم نے کتنا برا کیا کہ ہم عورتوں کو کتے اور گدھے کے برابر کردیا۔ کیا عورت بھی ایک ناپاک جانور ہے؟ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پاؤں پھیلائے سوتی رہتی۔ حجرے میں جگہ نہ تھی۔ جب حضورؐ نماز میں مصروف ہوتے اور سجدے میں جاتے تو ہاتھ سے ٹھوکا دیتے' میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپؐ کھڑے ہوتے تو پھر پاؤں پھیلا لیتی۔ کبھی ضرورت ہوتی تو بدن چرا کر سامنے سے نکل جاتی۔" (بخاری)

ایک صحابی نے روایت بیان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدشگونی اور نحوست تین چیزوں میں ہے یعنی عورت' مکان اور گھوڑے میں۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے جب یہ بات سنی تو غصے میں آکر بولیں:" قسم ہے اس خدا کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ سلم پر قرآن نازل کیا' حضورؐ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا' البتہ یہ فرمایا ہے کہ اہل جاہلیت ان تین چیزوں سے نحوست کی فال لیتے تھے۔ راوی نے پہلا فقرہ نہیں سنا' اس لئے اس سے یہ غلطی ہوئی ہے۔"

☆

ام المومنین سیدہ عائشہؓ کا صنف نازک پر چوتھا اہم احسان یہ ہے کہ انہوں نے ایک فقیہہ اور مفتی کی حیثیت سے اپنی قوت اجتہاد و استنباط سے کام لے کر شرعی احکام کی توضیح و تشریح اس انداز میں کی جس میں اس طبقے

کی فطری مجبوریوں اور ضرورتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتوں اور رعایتوں کا اہتمام کیا۔ ان معاملات میں چونکہ سیدہ صدیقہؓ کا استدلال کتاب و سنت پر مبنی ہوتا تھا لہٰذا بعد میں اسلامی قانون کے ماہرین کا فیصلہ عام طور پر ان کے حق میں رہا اور آج بھی اکثر اسلامی ملکوں میں انہی کے فتووں پر عمل ہے۔ چند مثالیں بطور نمونہ پیش ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فتویٰ دیتے تھے کہ ناپاکی کی حالت میں عورت کو غسل کرتے وقت چوٹی کھول کر بال اچھی طرح بھگونے چاہئیں۔ سیدہ عائشہؓ کو جب اس کی اطلاع ملی تو برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"ابن عمرؓ عورتوں کو یہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہ اپنے جوڑے منڈوالیں۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غسل کرتی تھی اور صرف تین دفعہ پانی ڈال لیتی تھی اور ایک بال بھی نہیں کھولتی تھی۔"

۲۔ حج میں حاجیوں کے لئے سر کے بال منڈوانا اور ترشوانا بھی ضروری ہے، مگر عورتوں کو کس قدر بال کٹوانے چاہئیں؟ اس پر حضرت ابن زبیرؓ فتویٰ دیتے تھے کہ ناپ کر چار انگل بال ترشوانے لازمی ہیں۔ اپنے بھانجے کا یہ فتویٰ معلوم کر کے سیدہؓ نے فرمایا:

"لوگو! کیا تمہیں ابن زبیر کے فتوے پر تعجب نہیں ہوا کہ وہ محرم عورت کو چار انگل بال کٹوانے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ کسی طرف سے ذرا سا بال لے لینا بھی کافی ہے۔"

اسلام سے پہلے ملک عرب میں وراثت میں عورت کا حصہ نہ تھا۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے اس کو یہ حق دلایا لیکن بعض ایسی صورتیں بھی پیش آئیں جن کا حل تلاش کرنے کے لئے کتاب و سنت سے استنباط کی ضرورت

پیش آئی۔ ایسے موقعوں پر سیدہؓ نے اپنی ہم جنس بہنوں کا حق فراموش نہیں کیا۔ مثلاً" اگر کسی کا وارث لڑکا نہ ہو' صرف بیٹیاں' پوتے اور پوتیاں ہوں تو تقسیم کس طرح ہوگی؟ حضرت ابن مسعودؓ ایسی صورت میں پوتیوں کو حصہ نہیں دلاتے۔ صرف پوتوں کو میراث میں حصہ دار بناتے ہیں' مگر حضرت عائشہؓ پوتیوں کو بھی حصہ دلاتی ہیں۔

اگر کوئی شخص کسی کو مجبور کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے ورنہ اسے قید میں ڈال دیا جائے گا یا قتل کر دیا جائے گا اور شوہر مجبوراً" طلاق دے دے تو سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایسی طلاق شریعت کی رو سے صحیح نہ ہوگی۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے سوا تمام فقہاء و محدثین نے سیدہؓ کے بیان کردہ اس اصول کو تسلیم کر لیا اور واقعہ یہ ہے کہ اگر اسلامی قانون میں یہ دفعہ نہ ہوتی تو شرافت ماب اور باعصمت خواتین کا ظالم و جابر امراء و سلاطین کے دست ظلم سے محفوظ رہنا مشکل ہو جاتا۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا اپنی روحانی بیٹیوں پر پانچواں اہم احسان یہ ہے کہ انہوں نے ان کی نسوانی شرم و حیا اور عزت و عصمت کی حفاظت کے لئے دین متین کے بیان کردہ احکام و فرامین کی خود بھی پوری طرح پابندی کی اور انہیں بھی ان پر عمل پیرا ہونے کی سختی سے تاکید کی تاکہ وہ غیر اسلامی فیشن اور رواج کے سیلاب میں بہ کر اپنے اسلامی وقار اور جنسی تشخص کو نہ کھو بیٹھیں۔ چند مثالیں پیش ہیں:

ا۔ عورتوں کو ایسا زیور پہننا جس سے آواز پیدا ہو' ممنوع ہے۔ ایک دفعہ ایک لڑکی گھنگھرو پہن کر سیدہ صدیقہؓ کے پاس آئی۔ آپ نے اس کے بارے میں فرمایا: "گھنگھرو پہنا کر میرے پاس نہ لایا کرو۔ اس کے گھنگھرو کاٹ

ڈالو۔" ایک عورت نے اس کا سبب دریافت کیا۔ بولیں:" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس گھر اور جس قافلے میں گھنٹہ بجتا ہو وہاں فرشتے نہیں آتے۔" (موطا امام مالکؒ)

۲۔ حفصہ بنت عبدالرحمٰنؓ آپ کی بھتیجی تھی۔ وہ ایک دن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر اپنی پھوپھی کے پاس آئی۔ سیدہ نے دوپٹہ دیکھتے ہی غصے سے اسے پھاڑ ڈالا اور فرمایا:" کیا تم نہیں جانتیں کہ خدا نے سورۃ نور میں کیا احکام نازل فرمائے ہیں؟" اس کے بعد گاڑھے کا دوسرا دوپٹہ منگوا کر اوڑھایا۔ (موطا امام مالکؒ)

۳۔ سیدہ عائشہؓ ایک دفعہ ایک گھر میں بطور مہمان تشریف فرما ہوئیں۔ دیکھا کہ دو جوان لڑکیاں بغیر چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں۔ تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بغیر چادر اوڑھے نماز نہ پڑھے کیونکہ ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے۔ (مسند احمد)

۴۔ عرب کے یہودیوں میں دستور تھا کہ کسی عورت کے بال چھوٹے ہوتے تو وہ مصنوعی بال جوڑ کر بڑے کر لیتی۔ ان کو دیکھ کر عرب کی مسلمان عورتوں میں بھی اس کا رواج ہو گیا' چنانچہ ایک دفعہ ایک عورت نے سیدہؓ کے پاس آکر عرض کی کہ میری بیٹی کے بال بیماری کی وجہ سے جھڑ گئے ہیں۔ آج وہ دلہن بنی ہے' کیا بال جوڑ دوں؟ جواب میں صدیقہؓ نے فرمایا:" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال جوڑنے والوں اور جوڑنے والیوں پر لعنت بھیجی ہے۔" (مسند احمد)

۵۔ عہد رسالت کے بعد مختلف قوموں کے ساتھ میل جول' تمدن کی وسعت اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے مسلمان خواتین میں زیب و زینت

اور رنگینی کا چلن خاصا بڑھ چکا تھا۔ اس حالت کو دیکھ کر تنبیہہ کے انداز میں فرمایا:

"عورتوں نے زیب و آرائش کی جو نئی باتیں پیدا کی ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے میں ہوتے اور ان کے یہ اطوار دیکھتے تو جس طرح یہود کی عورتیں مسجدوں میں آنے سے روکی گئی تھیں یہ بھی روک دی جاتیں۔" (بخاری)

وفات

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ قدرت کی طرف سے عطا کردہ منصب معلمی کے فرائض انجام دیتے ہوئے آخرکار ۶۷ سال کی عمر میں رمضان ۵۷ھ کے ابتدائی دنوں میں بیمار ہوئیں اور اسی مقدس اور بابرکت مہینے کی سترہ تاریخ کو اس دار فانی سے رحلت فرما کر اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔ آپ کی وفات کی خبر سے پورا مدینۃ الرسولؐ ماتم کدہ بن گیا اور سارے عالم اسلام میں صف ماتم بچھ گئی۔ صدیقہؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ انہیں رات کے وقت ہی جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ کی امامت کے فرائض انجام دیئے۔ جنازے میں لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ ہوتا بھی کیوں نہ کہ آج ملت اسلامیہ ایک عظیم روحانی ماں کے پربہار اور سہانے سائے کی نعمت سے محروم ہوگئی تھی۔

اس وقت امہات المومنینؓ میں سے صرف حضرت ام سلمہؓ بقید حیات تھیں۔ انہوں نے اس موقع پر فرمایا: "عائشہؓ کے لئے جنت واجب ہے کیونکہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔"

اس سانحہ دل گداز پر مشہور تابعی حضرت مسروقؒ نے اپنے دلی غم کا

اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "اگر مجھے ایک بات کا خیال نہ ہوتا تو ام المومنینؓ کی موت پر ماتم کا حلقہ قائم کرتا۔" لوگوں کے پوچھنے پر کہ اہل مدینہ نے سیدہ صدیقہؓ کی موت پر کتنا غم کیا' ایک مدنی نے جواب دیا: "ہر اس شخص نے شدت سے غم محسوس کیا جس کی وہ ماں تھیں۔"

باب نمبر۴

قرآن مجید کی ترتیب و تدوین اور اس کی حفاظت کے سلسلے میں تاریخ ساز کردار ادا کرنے والی خاتون

ام المومنین سیدہ حفصہؓ بنت عمر فاروقؓ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

حضرت عمر فاروقؓ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں: "یارسول اللہ، میری بیٹی بیوہ ہوگئی ہے۔ مجھے اس کے نکاح کی فکر دامن گیر ہے۔ میں نے ابوبکرؓ سے کہا تھا کہ وہ اس سے نکاح کرلیں مگر وہ خاموش رہے۔ یہی بات میں نے عثمانؓ سے بھی کہی مگر انہوں نے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔" رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وفاشعار اور جانثار ساتھی کو آزردہ پاکر فرماتے ہیں: "تمہاری بیٹی کی شادی کیوں نہ اس شخص سے ہو جو ابوبکرؓ اور عثمانؓ سے بہتر ہے؟ اور عثمانؓ کی شادی اس خاتون سے کی جائے جو تمہاری بیٹی سے برتر ہے۔" حضرت عمرفاروقؓ اپنے مشفق آقا کی طرف سے محبت سے بھرپور یہ اشارہ پاکر اطمینان و بشاشت کی روح پرور کیفیت سے سرشار ہوجاتے ہیں۔ اور ان کا حزن و ملال فرحت و سکینت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔"

حضرت عمرفاروقؓ کی یہ صاحبزادی جس کی بیوگی نے باپ کو مغموم و ملول کررکھا تھا سیدہ حفصہؓ تھی۔ یہ ان کی خوش قسمتی کی انتہا تھی کہ رحمت

للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی رفاقت اور زوجیت کے لئے منتخب فرمایا۔ اس طرح وہ ام المومنین کے اس اعلیٰ اور ارفع مقام پر فائز ہوئیں جو انسانیت کے طبقہ اناث کی معراج ہے جہاں فرشتے بھی عقیدت و احترام سے حاضر ہوتے ہیں اور اہل ایمان کی نگاہیں بھی ادب سے جھک جاتی ہیں۔

خاندان

سیدہ حفصہؓ کا تعلق قریش کے معزز قبیلے بنی عدی سے تھا۔ والد کا نام عمرؓ اور والدہ کا نام زینبؓ تھا جو حضرت عثمانؓ بن مظعون کی بہن تھیں۔ حضرت زینبؓ ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوئیں اور ہجرت مدینہ سے پہلے ہی مکے میں فوت ہوگئیں۔

علم انساب کے ماہرین نے سیدہ کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے:
حفصہؓ بنت عمرؓ بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی۔

اس طرح سیدہ کا سلسلہ نسب دسویں پشت میں لوی پر حضورؐ سے جاملتا ہے۔ قریش نے مکے کی شہری ریاست کا انتظام باقاعدگی سے چلانے اور اسے ہر قسم کے افتراق و انتشار سے بچانے کی خاطر تقسیم کار کا اصول اپنایا ہوا تھا جس کے تحت مختلف فرائض مختلف قبیلوں کے سپرد تھے۔ بنی عدی کے پاس سفارت کا منصب تھا۔ قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی سیاسی معاملہ پیش آتا تو بنی عدی کے لوگ اس کے پاس سفیر کی حیثیت سے جاتے۔ اسی طرح مناظرے کے معرکوں کی ثالثی بھی اسی قبیلے کے سپرد تھی۔ عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دو سرداروں میں سے کسی کو فضیلت کا دعویٰ ہوتا تو ایک لائق فائق اور مرتبہ شناس ثالث مقرر کیا جاتا۔ دونوں اس کے سامنے اپنے دلائل

پیش کرتے۔ ثالث کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوتا۔ ظہوراسلام کے وقت سفارت اور ثالثی کے اس عہدہ جلیلہ پر اپنے خاندان کے نمائندے کی حیثیت سے حضرت عمرؓ بن خطاب متمکن تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان ذمے داریوں کی مناسبت سے معاملہ فہمی' نکتہ آفرینی' حاضرجوابی' فصاحت و بلاغت اور زور بیان کے جوہر نمایاں طور پر ان میں موجود تھے۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے وہ پورے قبیلہ قریش میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے اور قریش کے ان سترہ افراد میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

ولادت

تمام اہل سیراس امر پر متفق ہیں کہ سیدہ حفصہؓ کی ولادت ۵ قبل نبوت میں ہوئی۔ یہ سال شہر مکہ کی تاریخ میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ یہی وہ سال ہے جب قریش نے خانہ کعبہ کی عمارت از سر نو تعمیر کی کیونکہ یہ عمارت سیلابوں کی وجہ سے بالکل خستہ ہوگئی تھی۔اپنے اجتماعی فیصلے کے مطابق انہوں نے تعمیر کے اس مقدس کام میں صرف حلال ذرائع سے حاصل کردہ دولت لگائی۔ قریش کے مختلف خاندانوں نے تعمیراتی کام رضاکارانہ طور پر اپنے درمیان تقسیم کرلیا اور پورے جوش و خروش سے انجام دیا۔ لیکن جب خانہ کعبہ کی دیوار میں "حجر اسود" کے نصب کرنے کا موقع آیا تو ہر سرداراس امر کا دعویدار ہوا کہ اس اعزاز کا صرف وہی حقدار ہے۔اس دعوے نے پہلے بحث و تکرار کی صورت اختیار کی لیکن بعد میں یہ خونی تصادم کے خطرے کا موجب بن گیا۔ آخرکار ان کے سیانوں نے فیصلہ کیا کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے گا وہ اس معاملے میں حکم ہوگا اور اس کا فیصلہ سب کے لئے قابل قبول ہوگا۔ اگلی صبح ... سے پہلے لوگوں کی نظر ... جس ...

جمال جہانتاب چہرہ محمدیؐ تھا جسے دیکھ کر سب پکار اٹھے " یہ تو محمدؐ ہیں۔ یہ تو امین ہیں۔ ہم راضی ہو گئے۔"

آپ نے ایک چادر بچھا دی۔ اپنے دست مبارک سے حجر اسود اس پر رکھا اور تمام دعویدار سرداروں سے کہا کہ وہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور چادر کو اوپر اٹھائیں۔ جب چادر مقررہ مقام کے قریب آگئی تو آپؐ نے حجر اسود اٹھا کر دیوار میں نصب کر دیا۔ اس طرح آپؐ کی دانشمندی سے ایک خونیں تصادم کا خطرہ ٹل گیا۔

اس طرح سیدہ حفصہؓ کو قدرت کی طرف سے یہ شرف حاصل ہو گیا کہ ان کا سال ولادت ہی وہ سال ہے جب قریش کے تمام لوگوں نے متفقہ طور پر اللہ کے ہونے والے رسولؐ کی امانت کی برملا شہادت دی اور ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ یہ شخص کتنا بلند پایہ مدبر، معاملہ فہم اور ہوش مند انسان ہے۔

بچپن

سیدہ حفصہؓ نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی اور جس ماحول میں پرورش پائی اور جن لوگوں کے ہاتھوں ان کی تربیت ہوئی اس کے نتیجے میں کچھ صفات اور کچھ خصوصیات ان کے مزاج، ان کی طبیعت اور ان کی فطرت کا لازمی حصہ بن گئیں۔ وہ تھیں بے لوثی و بے خوفی، جرات و بیباکی، سخن فہمی و نکتہ سنجی، صاف گوئی و یکرنگی اور مداہنت و چاپلوسی سے ..... گریز یہی وہ خوبیاں تھیں جو پوری عمر ان کی سیرت اور ان کے کردار کے تابندہ و درخشندہ پہلو کی حیثیت سے ماحول میں روشنی پیدا کرنے کا موجب بنتی رہیں۔

سیدہ موصوفہ اپنے والد حضرت عمرؓ کے ساتھ ہی ۶ نبوت کے شروع میں ایمان و اسلام کی نورانی دولت سے بہرہ ور ہوئیں۔ حضرت عمرؓ کا قبول اسلام' دین حق کی دعوت کی تاریخ میں عہد ساز بھی ہے اور انقلاب آفرین بھی۔ اس لئے اختصار کے ساتھ اس کا ذکر نہایت ضروری ہے۔ توحید کی دعوت عام کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عمرؓ ان لوگوں میں سے تھے جو اس دعوت اور اس تحریک کو پورے خلوص کے ساتھ اپنے آبائی دین اور اپنے موروثی نظام زندگی کے خلاف ایک باغیانہ سازش تصور کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص ان کے علم کے مطابق اس نئی انقلابی تحریک سے وابستہ ہوجاتا تو وہ ان کے غیظ و غضب کا نشانہ بن جاتا۔ لبینہ' ان کے خاندان کی ایک کنیز تھی۔ اس کا دل نور ایمان سے منور ہوگیا۔ پھر کیا تھا' عمرؓ کا غضب اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس بے چاری کو اتنا مارتے کہ مارتے مارتے خود تھک جاتے۔ لیکن وہ اللہ کی بندی یہ تمام اذیتیں بڑے صبر سے برداشت کرتی۔ آخر کار نبوت کے چھٹے سال کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ تحریک اسلامی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی اپنی تمام کوششوں میں ناکامی کے بعد ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر گھر سے نکل پڑے۔ راستے میں ان کے قبیلے کے ایک صاحب ملے جن کا نام ابو نعیم تھا' وہ خفیہ طور پر مسلمان ہوچکے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ "عمرؓ کدھر کا ارادہ ہے؟" جواب دیا "میں اس صابی کو قتل کرنے جارہا ہوں جس نے قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ ہم سب کو احمق ٹھہرایا ہے۔ ہمارے دین میں عیب نکالا ہے۔ اور ہمارے معبودوں کی برائی کی ہے۔" ابو نعیم نے کہا۔ "خدا کی قسم' تم دھوکے میں ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ محمدؐ کے قتل کے بعد بنو عبد مناف تمہیں زندہ چھوڑ دیں گے؟ پہلے تم اپنے گھر والوں کی خبر تو لو۔

تمہارے بہنوئی سعیدؓ بن زید اور تمہاری بہن فاطمہؓ محمد کا دین قبول کر چکی ہیں۔" حضرت عمر یہ سنتے ہی اپنی بہن کے گھر کی طرف چل پڑے۔ جب دروازے پر پہنچے اس وقت دونوں میاں بیوی اللہ کی کتاب کی تلاوت کر رہے تھے۔ اس کی آواز ان کے کانوں میں پڑی۔ گھر کے اندر داخل ہوئے اور آتش غضب سے مغلوب ہو کر بہنوئی کو پیٹنا شروع کردیا کہ تم بددین ہو گئے ہو۔ بیوی شوہر کو بچانے کے لئے آگے بڑھی۔ اسے بھی مارا جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ خون کے پھوارے پھوٹ پڑے' تمام کپڑے سرخ ہو گئے۔ لیکن تھی وہ بھی خطاب کی بیٹی۔ پوری جرات سے بولی:

"اے عمرؓ جو چاہے کرلو۔ ہم رسولؐ اللہ پر ایمان لاچکے ہیں۔ اب اس ایمان کی روشنی ہمارے دلوں سے زائل نہیں ہوسکتی۔"

بہن کے اس پر عزم اعلان نے عمر کی شخصیت کو ہلا کر رکھ دیا۔ قلب و ذہن کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا۔ غیظ و غضب کی تندی' ندامت و پشیمانی کی ملامت میں بدل گئی۔ شرک و جاہلیت کی ظلمتیں چھٹ گئیں۔ توحید و صداقت کی نورانیت نے قلب و نظر کو منور کردیا۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اپنی تمام توانائیوں اور صلاحیتوں کا توشہ آپؐ کے قدموں میں نچھاور کرتے ہوئے عرض کیا:" یارسول اللہ' ہم حق پر ہیں تو ہم باطل سے دب کر کیوں رہیں؟" چنانچہ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان ان کے اور حضرت حمزہؓ کے ساتھ دو قطاروں میں حرم پہنچے اور علانیہ نماز ادا کی۔

اس واقعہ نے جہاں اہل ایمان کو بے پناہ قوت دی اور کمزوروں کو حوصلہ بخشا وہیں اہل کفر کے ایوانوں میں تہلکہ مچ گیا۔

اسی دن حضرت عمرؓ کے گھرانے کے تمام لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

انہی میں سیدہ حفصہؓ بھی تھیں جن کی عمر اس وقت دس سال تھی۔ اور انہی میں ان کے بھائی عبداللہؓ بھی تھے جو بعد میں تفسیر و حدیث کی دنیا میں ابن عمرؓ کے نام سے مشہور ہوئے۔

شادی

سیدہ حفصہؓ کی پہلی شادی حضرت خنیسؓ بن حذافہ سے ہوئی۔ ان کا تعلق قریش کے قبیلہ بنی سہم سے تھا۔ یہ وہ خوش قسمت نوجوان تھے جنہوں نے اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں ہی خدا کے رسول سے محبت و وفا کا رشتہ استوار کرلیا تھا اور اس تعلق کی بنا پر ہر مصیبت اور ہر پریشانی کا پامردی سے مقابلہ کیا۔ اپنے ضمیر کی آزادی اور اپنے ایمان کی سلامتی کی خاطر ۶ نبوت میں اپنے شہر اور اپنے عزیزو اقربا کو خیرباد کہہ کر اپنے دو بھائیوں حضرت عبداللہؓ اور حضرت قیسؓ کے ہمراہ حبشہ کی راہ لی جو تاریخ میں حبشہ کی دوسری ہجرت کے نام سے مشہور ہوئی۔

ہم سیدہ خدیجہؓ اور سیدہ سودہؓ کے حالات میں بیان کرچکے ہیں کہ ہجرت حبشہ کا یہ واقعہ قریش کے ان مشرک سرداروں کے لئے جو حق کی مخالفت میں پیش پیش تھے اور جنہوں نے عداوت و مخالفت کے اندھے جوش میں انسانیت و شرافت اور قرابت و رشتے داری کی تمام اعلیٰ اقدار کو پامال کرکے رکھ دیا تھا ایک ایسا تازیانہ عبرت ثابت ہوا جس نے ان کے غرور و نخوت کے دیوہیکل بتوں کو پاش پاش کرکے رکھ دیا تھا۔ یہی صورت حال حضرت خنیسؓ کے قبیلے بنی سہم کے سرکش سرداروں کو بھی پیش آئی۔ اس قبیلے کے دو سردار حارث بن قیس اور عاص بن وائل اسلام دشمنی اور مسلمانوں کی

گوشوں نے شامل ہو کر ان کی آنکھیں کھولنے کا سامان مہیا کر دیا۔ حارث بن قیس کے پانچ بیٹے اس تحریک ہجرت میں شریک ہوئے جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ سعیدؓ بن حارث بن قیس

۲۔ حارثؓ بن حارث بن قیس

۳۔ معمرؓ بن حارث بن قیس

۴۔ بشرؓ بن حارث بن قیس

۵۔ سائب بن حارث بن قیس

اسی طرح عاص بن وائل کا ایک بیٹا بھی اپنے باپ سے بغاوت کر کے راہ حق کے مسافروں کا ساتھی بن گیا' اس کا نام ہے ہشام بن عاص بن وائل

ان حق پرست نوجوانوں کے اس جرات مندانہ اقدام نے ان سرکش سرداروں کو ایک طرف ذلت و رسوائی کی مار دے کر اندرونی طور پر توڑ پھوڑ کر رکھ دیا' دوسری طرف ظاہری طور پر انہیں جھنجلاہٹ' جوش' انتقام اور آتش قہر و غضب کی جان سوز کیفیت میں مبتلا کر دیا۔

شادی کب ہوئی؟

مورخین نے یہ تو وضاحت نہیں کی کہ سیدہ حفصہؓ کی شادی حضرت خنیسؓ کے ساتھ کب ہوئی۔ بعض تو سرسری طور پر اس کا ذکر کرتے ہوئے کہ دیتے ہیں کہ یہ شادی دور جاہلیت میں ہی ہو گئی تھی لیکن یہ بات اس لئے قابل قبول نہیں کہ ظہور اسلام کے وقت سیدہؓ کی عمر پانچ سال سے بھی کم تھی۔ اسی طرح کچھ سیرت نگاروں نے ہجرت حبشہ میں شامل ہونے والوں کا تعارف کراتے ہوئے حضرت خنیسؓ کا تعارف حضرت عمرؓ کے داماد کی حیثیت

سے بھی کرایا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شادی ہجرت حبشہ سے پہلے ہوچکی تھی۔ لیکن اسے بھی آسانی سے تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حضرت خنیسؓ قدیم الاسلام تھے اس لئے حضرت عمرؓ جیسے شخص کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنی بیٹی کسی ایسے شخص کے نکاح میں دے دیں جس کے عقیدے اور مسلک سے انہیں شدید اختلاف ہو۔ اگر یہ شادی ہجرت سے پہلے ہوچکی ہوتی تو سیدہ حفصہؓ بھی ضرور اپنے شوہر کے ساتھ اس سفر میں شریک ہوتیں لیکن ان کا نام اس فہرست میں شامل نہیں۔

ہمارے خیال میں یہ شادی حضرت خنیسؓ کی حبشہ سے واپسی پر نبوت کے ساتویں یا آٹھویں سال میں ہوئی۔ اس وقت سیدہ کی عمر تقریباً" بارہ یا تیرہ سال تھی۔ حضرت خنیسؓ ان چونتیس مرد مہاجروں میں شامل ہیں جو اہل سیر کے نزدیک ہجرت مدینہ سے پہلے ہی مکے واپس آگئے تھے۔ ان میں سے دو مکے میں ہی فوت ہوگئے۔ آٹھ کو ان کے قبیلے کے مخالف اسلام لوگوں نے پکڑ کر قید میں ڈال دیا تھا تاکہ وہ کسی اور طرف کا رخ نہ کرسکیں بلکہ مظالم سے تنگ آکر نئے دین سے منحرف ہوجائیں۔ باقی چوبیس نے مدینے کی طرف ہجرت کرکے انقلابی تحریک میں قابل قدر حصہ لیا۔

مدینے کی طرف ہجرت

نبوت کے تیرھویں سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو مدینے کی طرف ہجرت کرجانے کی اجازت دے دی۔ لیکن معبودان باطل کے پرستاروں کو یہ کسی صورت بھی گوارا نہ تھا کہ خدائے واحد کے پرستار ان کے حلقہ تصرف و اقتدار سے نکل کر کسی امن و سلامتی کے مقام پر

صاحب ایمان کے لئے علانیہ اس سفر پر نکلنا ناممکن بنادیا۔ اس لئے نکلنے والے چھپ چھپا کر نکلے۔ اکثر تو اس حالت میں نکلے کہ ان کے پاس کل اثاثہ ان کے تن کے کپڑے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس کٹھن سفر کا ارادہ کیا۔ لیکن سفر ہجرت پر نکلنے کی ان کی شان ہی نرالی تھی۔ محدثین نے حضرت علیؓ کی روایت کے حوالے سے جو تفصیل بیان کی ہے' اس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:

" حضرت عمرؓ نے جب سفر ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے میں حمائل کی پہلو میں نیزہ باندھا۔ پشت پر ترکش لگایا۔ ہاتھوں میں کمان لی۔ گھوڑے پر سوار ہوکر سیدھے بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تمام دشمنان اسلام اپنی اپنی مجلسوں میں اپنے اپنے قبائل کے ساتھ تھے۔ پہلے کعبۃ اللہ کا سات بار طواف کیا پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی پھر حلقہ مجلس میں کھڑے ہوکر کہا:" تمہارے چہرے مسخ ہوجائیں۔ اللہ تمہاری ناک خاک آلود کرے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ اپنی ماں کو اپنے پیچھے روتا ہوا چھوڑے' اپنی بیوی کو بیوہ بنائے اور اپنے بچوں کو یتیم کہلائے وہ حرم کے باہر مجھ سے نبرد آزما ہو۔"

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ اہل قریش میں سے کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ ان کا تعاقب کرے۔ البتہ کچھ کمزور مسلمان ان سے آملے۔ اس گروہ میں شامل افراد کی تعداد بیس ہوگئی۔ ان میں سیدہ حفصہؓ ان کے شوہر حضرت خنیسؓ ان کے تایا زیدؓ بن خطاب اور ان کے پھوپھا سعیدؓ بن زید بھی شامل تھے۔

مدینے میں تشریف آوری

سیدہ حفصہؓ اپنے شوہر' اپنے باپ اور اپنے دوسرے رشتے داروں کے

ساتھ سفر ہجرت کی تکالیف و مصائب برداشت کرتی ہوئی مدینے کی قریبی بستی "قبا" میں پہنچیں اور وہیں رہائش اختیار کرلی۔

سیدہ حفصہؓ کا گھرانا اللہ اور اس کے رسولؐ کے شیدائیوں اور فدائیوں کا گھرانا تھا۔ اس گھر کے مکینوں کی سب سے اہم اور سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے بلند اور اعلیٰ نصب العین کی راہ میں اپنی پوری صلاحیتیں اور قوتیں صرف کردیں۔ مخلصانہ سوچ کی اس ہم آہنگی نے ان کے گھر کو باہمی الفت و محبت اور باہمی خیرخواہی و تعاون کا گہوارہ بنا دیا تھا۔ دل سکون و اطمینان کی روح پرور کیفیت سے سرشار تھے۔ خدا کے آخری رسولؐ کی پرانوار تعلیمات اور آپؐ کی پاکیزہ مجالس کی ضیاء پاشیوں نے ذہنوں کو ارجمندی اور روحوں کو لطافت و بالیدگی کی نعمتوں سے مالا مال کردیا تھا۔

حق و باطل کا پہلا معرکہ اور سیدہ کے خصوصی اعزازات

حق و باطل کا پہلا معرکہ جو ۱۷ رمضان ۲ھ کو بدر کے میدان میں بپا ہوا یہ اسلام کی تاریخ میں اتنا اہم ہے کہ قرآن مجید نے اسے "یوم الفرقان" کا نام دیا ہے۔ اس معرکے نے سیدہ حفصہؓ کے ذاتی اور خاندانی اعزازات میں قابل ذکر اور لائق فخر اضافہ کیا۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے:

پہلا اعزاز

قدرت کی طرف سے اس موقع پر سیدہ کو جو پہلا اعزاز حاصل ہوا وہ یہ ہے کہ جب طاغوتی قوتیں ابوجہل کی سربراہی میں اور حق کی قوتیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں آمنے سامنے خیمہ زن ہوگئیں تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کے والد حضرت عمر فاروقؓ کو امن و

سلامتی کا پیامبر بنا کر مخالف فوج کے کمانڈروں کے پاس بھیجا۔ یہ سفارت اتمام حجت کی خاطر تھی۔ مورخ واقدی نے اس کی روداد بیان کی ہے جس کے مطابق سیدنا عمرؓ بن خطاب نے سرداران قریش سے کہا:

"تم سے ہمارے خونی تعلقات بھی ہیں اور قرابت داری بھی۔ تمہارا ہم سے لڑنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اس لئے تم اپنے وطن واپس لوٹ جاؤ۔"

یہ پیغام سن کر حکیم بن حزام نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ انصاف کی بات ہے، بہتر ہے۔ اسے قبول کرلیا جائے۔ خدا کی قسم! اس منصفانہ پیشکش کے بعد تم فتح و کامرانی سے ہم کنار نہ ہوسکو گے۔

اس پر ابوجہل برافروختہ ہوکر سفیر اسلام سے مخاطب ہوا اور بولا:

"یہ پیشکش ہمیں منظور نہیں۔ اس وقت تم ہماری دسترس میں ہو۔ ہم تم سے بدلہ لئے بغیر واپس جانے والے نہیں۔"

دوسرا اعزاز

غزوہ بدر میں کفرو شرک کی حمایت میں قریش کے ہر قبیلے کے آدمی شریک ہوئے لیکن علامہ طبری کے بیان کے مطابق قریش کا صرف ایک قبیلہ ایسا تھا جس کا کوئی آدمی اس معرکہ میں شامل نہیں ہوا' وہ تھا بنی عدی' یعنی سیدہ حفصہؓ کا قبیلہ۔

تیسرا اعزاز

ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق اسلام کے جھنڈے کے نیچے اسی مہاجرین نے اپنی جان کی بازی لگا کر باطل کی یورش اور یلغار کا مقابلہ کیا۔ ان مہاجرین میں قریش کے ہر قبیلے کے افراد موجود تھے۔ لیکن جس قبیلے کے

سب سے زیادہ جانبازوں نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے وہ بھی سیدہ حفصہؓ ہی کا قبیلہ تھا ان کی تعداد چودہ تھی۔ ان اولوالعزم مردان وغا کے نام یہ ہیں:

۱۔ عمرؓ بن خطاب ' ۲۔ زیدؓ بن خطاب ' ۳۔ مہجع ' ۴۔ عمروؓ بن سراقہ ' ۵۔ عبداللہ بن سراقہ ' ۶۔ واقدؓ بن عبداللہ ' ۷۔ خولیؓ بن ابی خولی ' ۸۔ مالکؓ بن ابی خولی ' ۹۔ عامرؓ بن ربیعہ ' ۱۰۔ عاقلؓ بن بکیر ' ۱۱۔ خالدؓ بن بکیر ' ۱۲۔ ایاسؓ بن بکیر ' ۱۳۔ سعیدؓ بن زید ' ۱۴۔ عامرؓ بن بکیر

چوتھا اعزاز

چوتھا اعزاز جو قدرت نے سیدہ حفصہؓ کو اپنی خصوصی عنایت سے عطا فرمایا وہ یہ تھا کہ اس تاریخ ساز معرکے میں خدا کی راہ میں جس کا سب سے پہلے خون بہا اور جس نے سب سے پہلے شہادت کا ابدی اور لازوال شرف حاصل کیا' اس کا تعلق بھی سیدہ کے خاندان سے تھا۔ یہ خوش بخت انسان مہجعؓ تھا جو ان کے باپ کا آزاد کردہ غلام تھا اور جس کا تعلق یمن کے ملک سے تھا۔

پانچواں اعزاز

سب سے اہم اعزاز جس نے سیدہ حفصہؓ کے قسمت اور مقدر کے ستارے کو تابندگی و درخشندگی میں رشک شمس و قمر بنا دیا تھا وہ یہ تھا کہ ان کے رفیق حیات حضرت خنیسؓ بن حذافہ نے خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں کے زہر میں بجھے ہوئے واروں کو روکنے کے لئے اپنے سینے کو بطور ڈھال پیش کر دیا۔ اس رزم آرائی میں وہ زخموں سے چور ہو گئے۔ اسی حالت میں انہیں مدینے واپس لایا گیا۔ ان زخموں کی تاب نہ لا کر وہ کچھ عرصہ بعد

اپنے مالک حقیقی کی رحمتوں کے سہانے اور حیات بخش سائے میں پہنچ گئے۔

تنہائی کا دکھ

سیدہ حفصہؓ اب اپنے مخلص، وفاشعار، ہم مسلک اور ہم سفر رفیق زندگی کی پر بہار اور پر مسرت رفاقت و معیت سے محروم ہوگئی تھیں۔ مادی دنیا میں ان کا قابل اعتماد اور مضبوط سہارا ان سے چھن چکا تھا۔ ان کی دنیا اندھیر ہوگئی تھی۔ تنہائی کی ہولناکیوں نے ان کے قلب و روح کی دنیا میں غم و اندوہ اور حسرت و یاس کی ایک جگر سوز کیفیت اجاگر کردی تھی۔ رنج و الم کی اس کیفیت کو اس احساس محرومی نے اور گھمبیر بنادیا تھا کہ ان کی گود بھی خالی تھی۔ حضرت خنیسؓ سے ان کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ یاس والم کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں امید کی جو کرن ان کا سہارا بنی ہوئی تھی وہ تھی اللہ پر ایمان اور اس کی رحمت پر بے پناہ اعتماد۔

باپ کا اضطراب

سیدہ حفصہؓ کے باپ حضرت عمرؓ اپنی بیٹی کی اس مصیبت سے سخت پریشان تھے۔ عدت ختم ہونے کے بعد انہیں اس بات کی فکر ہوئی کہ ان کی اس بیوہ بیٹی کے لئے کوئی قابل اعتماد رفیق زندگی مل جائے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے خواہش کی کہ وہ اس سے نکاح کرلیں مگر وہ خاموش رہے۔ حضرت عثمانؓ کی اہلیہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ کا بھی انتقال ہوچکا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے یہ پیشکش ان کے سامنے بھی کی لیکن انہوں نے معذرت کردی۔ ان حالات سے دل گرفتہ ہوکر حضرت عمرؓ اپنے مشفق و مہربان آقا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بپتا تفصیل سے سنائی۔ اس پر آقائے دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حفصہؓ کی شادی اس شخص کے ساتھ ہوگی جو ابوبکرؓ اور عثمانؓ سے افضل ہے۔ اور عثمانؓ کی شادی اس خاتون سے ہوگی جو حفصہؓ سے بہتر ہے۔" اپنے آقا اور مولیٰ کی یہ محبت بھری باتیں سن کر حضرت عمرؓ کا اضطراب اور اضطرار طمانیت و سکینت میں تبدیل ہوگیا۔

ام المومنین بننے کا شرف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ سیدہ حفصہؓ کے لئے نکاح کا پیغام دیا جس کے بعد نکاح کی تقریب عمل میں آئی۔ مہر چار سو درہم مقرر ہوا۔ اس طرح سیدہ حرم نبوی میں داخل ہوکر ام المومنین کے بلند و ارفع اعزاز و اکرام سے مشرف ہوئیں۔ اس نکاح کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ میں آپ کی پیشکش کے جواب میں اس لئے خاموش رہا تھا کہ میں نے حضورؐ کو حفصہؓ کا ذکر کرتے سنا تھا اور میں اس وقت آپؐ کا یہ راز افشا کرنا نہیں چاہتا تھا ورنہ مجھے اس نکاح کے معاملے میں کوئی انکار نہ تھا۔

حضورؐ سے نکاح کے وقت ام المومنین سیدہ حفصہؓ کی عمر ۲۲ سال تھی۔ اور تمام ارباب سیر اس امر پر متفق ہیں کہ یہ نکاح شعبان ۳ھ میں ہوا۔

ایک مغالطہ

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "اصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت خنیسؓ جنگ احد میں شہید ہوئے۔ یہ غزوہ شوال ۳ھ میں ہوا۔ اگر یہ روایت درست مان لی جائے تو سیدہ کی عدت صفر ۴ھ کے آخر میں ختم ہوتی ہے۔ اس طرح حضورؐ کے ساتھ ان کا نکاح ربیع الاول ۴ھ سے پہلے ممکن نہیں۔

"اصابہ" کی اس روایت کی وجہ سے ہمارے نہایت ہی قابل احترام اور فاضل سیرت نگاروں سے سہوا" کچھ ایسے تسامحات سرزد ہوگئے ہیں جن سے قاری کا ذہن الجھن میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ مثلا" علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق کے صفحہ ۶۱۷ پر لکھتے ہیں:

" خنیسؓ جب غزوہ احد میں شہید ہوئے تو وہ (حفصہ) ۳ ھ میں جناب رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔"

حالانکہ غزوہ احد میں شہادت کے بعد یہ نکاح ۳ ھ میں ناممکن ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔

اسی طرح شاہ مصباح الدین شکیل اپنی مایہ ناز کتاب سیرت احمد مجتبیٰؐ کی جلد اول کے صفحہ ۱۹۹ پر رقم طراز ہیں:

(حضرت خنیسؓ) حضرت عمرؓ کے داماد تھے۔ حضرت حفصہؓ سے نکاح ہوا تھا۔ بدر اور احد کے معرکوں میں شرکت کی۔ جنگ احد میں کاری زخم لگا۔ اوراس کے کچھ عرصے بعد انتقال کیا۔ اس کے چند ماہ بعد ان کی بیوہ حضرت حفصہؓ کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔"

اسی کتاب کی دوسری جلد کے صفحہ ۴۶۸ پر ہجرت کے تیسرے سال کے واقعات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" اس سال ماہ شعبان میں حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ ام المومنین بنیں۔"

پیش کردہ دونوں اقتباسات الجھن پیدا کرنے کا موجب ہیں۔ اگر خنیسؓ کی غزوہ احد میں شمولیت مان لی جائے جو ۳ ھ کے دسویں مہینے کا واقعہ ہے تو ان کی بیوہ کا نکاح اسی سال کے آٹھویں مہینے کس طرح ہوگیا۔

حقیقت یہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے کہ حضرت خنیسؓ غزوہ بدر ۲

ھ میں زخمی ہوئے اور انہی زخموں کی وجہ سے کچھ ماہ بعد ان کا انتقال ہوا۔ عدت کی مدت پوری ہونے کے بعد ۳ ھ کے آٹھویں مہینے میں ان کی بیوہ (سیدہ حفصہؓ) کا حضورؐ کے ساتھ نکاح ہوا۔

حرم نبوی میں

سیدہ حفصہؓ جب حرم نبوی میں داخل ہوئیں اس وقت دو خوش قسمت خواتین اس حرم کی ملکہ کی حیثیت سے پہلے ہی موجود تھیں۔ ایک ام المومنین سیدہ سودہؓ جو اس وقت تقریباً" ساٹھ سال کے پیٹے میں تھیں۔ دوسری ام المومنین سیدہ عائشہؓ جو ابھی نوعمر اور نوجوان تھیں۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "فقر میری امتیازی شان ہے۔" آپؐ کا گھر اور اس کا ماحول اس اعلان اور اس دعوے سے بالکل ہم آہنگ تھا۔ اس گھر کی ہر ملکہ کے لئے جو رہائش گاہ مہیا کی جاتی تھی وہ ایک حجرہ ہوتا تھا جس کی دیوار کچی اینٹوں کی اور چھت کھجور کی شاخوں کی ہوتی تھی۔ دروازے پر کمبل کا پردہ پڑا ہوتا تھا۔ اسی قسم کا ایک حجرہ جو مسجد کے مشرقی جانب تھا ام المومنین سیدہ حفصہؓ کو بھی ملا۔ اس حجرے میں ضرورت کا سامان نہایت مختصر تھا یہاں تک کہ ان کے حجرے میں حضورؐ کے آرام کے لئے جو چیز بطور بستر استعمال ہوتی تھی وہ ٹاٹ کا ایک ٹکڑا تھا جسے دوہرا کرکے آپؐ کے نیچے بچھا دیا جاتا تھا۔ کھجوروں اور دودھ پر اکثر گزر اوقات ہوتی۔ ہفتوں چولہے میں آگ جلنے کی نوبت نہ آتی۔

کاشانہ نبوت میں یہ تنگی اور عسرت نتیجہ تھی صاحب خانہ کی معاشی حالت کی خستگی کا لیکن قدرت اپنی حکمت و مصلحت کے تحت ان حالات سے اس گھر کی بلند مرتبہ خواتین کی روحانی اور اخلاقی تربیت کا کام لے رہی تھی۔

تاکہ ان میں توکل علی اللہ' حب رسولؐ' صبر و قناعت ' ایثار و قربانی' ضبط و تحمل اور بے لوثی و بے نفسی کی اعلیٰ خوبیاں ان کی شخصیت اور ان کے کردار کا لازمی عنصر بن جائیں جن کے ذریعے وہ امت مسلمہ کے طبقہ خواتین کی معلمہ ' مربیہ اور مصلحہ کی حیثیت سے اپنے فرائض باحسن طریق انجام دے سکیں۔

ام المومنین سیدہ حفصہؓ کو اپنی اس حیثیت کا بخوبی علم تھا۔ چنانچہ جب دوسری ازواج کے ساتھ انہیں بھی اختیار دیا گیا کہ اگر وہ دنیا اور اس کے عیش و عشرت کی طالب ہیں تو انہیں بھلے طریقے سے کچھ دے کر اس مقدس گھر سے رخصت کردیا جائے لیکن اگر ان کی وابستگی اللہ' رسولؐ اور دار آخرت سے ہے تو صبر و ثبات سے ان کٹھن حالات کا مقابلہ کرنے والیوں کے لئے اجر عظیم ہے۔

اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے ام المومنین سیدہ حفصہؓ نے بھی دنیا کی زیب و زینت اور اس کی عیش و راحت کو ٹھکراتے ہوئے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اپنی غیر متزلزل وابستگی اور دلبستگی کا اعلان کیا تھا۔

سیدہؓ کی تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام

پہلے بیان ہوچکا ہے کہ ام المومنین سیدہ حفصہؓ کا تعلق اس خاندان سے تھا جو اپنی فصاحت و بلاغت ' حاضر جوابی' نکتہ آفرینی اور زور بیان میں پورے قریش میں ممتاز تھا۔ سیدہؓ کو یہ تمام خصوصیات ورثے میں ملی تھیں۔ رسولؐ اللہ بھی ان کے ان موروثی اور طبعی اوصاف سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لئے آپؐ نے ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی ۔ مسند احمد بن حنبل کی روایت کے مطابق حضورؐ نے اپنی ایک صحابیہ حضرت شفاءؓ بن عبداللہ عدیہ

کو جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اس بات پر مامور کیا کہ وہ سیدہ کو لکھنا سکھائیں۔ حضرت شفاءؓ نے انہیں لکھنا بھی سکھایا اور زہریلے کیڑے مکوڑوں کے کاٹنے کا دم بھی۔

معارف و حقائق اخذ کرنے کی صلاحیت سیدہؓ میں بڑی طاقتور اور جاندار تھی۔ وہ معلمؐ انسانیت کے فرمودات و ارشادات پوری توجہ سے سنتیں اور انہیں اپنے قلب و ذہن میں محفوظ کرلیتیں۔ اگر کسی مسئلے یا معاملے میں کوئی شک و شبہ ذہن میں پیدا ہوتا تو ایک ہونہار شاگرد کی حیثیت سے فوراً" اس کے ازالے کی خاطر بلاتکلف سوالات کرتیں اور حضورؐ پورے تحمل سے ان کے جوابات دیتے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو اہل ایمان غزوہ بدر اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے وہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔"[3]

"یہ ارشاد سن کر سیدہؓ نے اپنے دل میں پیدا ہونے والے اشکال کا اظہار ایک سوال کی صورت میں اس طرح کیا:

"یا رسول اللہ' خداوند کریم تو فرماتا ہے۔

"تم میں کوئی ایسا نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو۔ یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کا ذمہ ہے۔" (سورہ مریم آیت ۷۱)

آپؐ نے ارشاد فرمایا: "ہاں یہ ٹھیک ہے۔ مگر ساتھ ہی خدا نے یہ بھی کہا ہے:

"پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو دنیا میں متقی تھے۔ اور ظالموں کو اس میں گراہوا چھوڑ دیں گے۔" (سورہ مریم آیت ۷۲)

قرآن مجید کی حفاظت میں اہم کردار

اللہ کی آخری کتاب، اللہ کے آخری رسولؐ پر وقفے وقفے سے نازل ہوئی اور جونہی اس کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو رسولؐ اللہ کی زبان مبارک سے سن کر اہل ایمان اسے فوراً اپنے قلب و ذہن میں محفوظ کر لیتے۔ اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں سینے ایسے موجود تھے جو اس نورانی سرچشمہ ہدایت کے قابل اعتماد اور نہایت محفوظ مخزن کی حیثیت اختیار کر چکے تھے کیونکہ اس وقت عرب کے معاشرے میں کسی کلام کی حفاظت کا قابل اعتماد ذریعہ کتابت کی بہ نسبت انسانی ذہن ہی تصور کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں اس امر کا بھی انتظام فرمادیا تھا کہ وحی کے ذریعے جو کلام الٰہی نازل ہوا اسے متعلقہ سورۃ میں شامل کر کے احاطہ تحریر میں بھی لایا جائے۔ یہ اہم خدمت دوسرے افراد کے علاوہ ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے بھی سپرد تھی۔ سیدہؓ لکھنا سیکھ چکی تھیں اس لئے حضورؐ کی ہدایت کے مطابق نازل شدہ آیات کو لکھ کر اپنے پاس موجود قرآنی نسخے میں درج کر لیتیں۔ بہرحال بعض اہل سیر اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی قرآن حکیم کے تمام کتابت شدہ اجزا یکجا کرا کر ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے پاس رکھوا دیے تھے۔ جو پوری زندگی ان کے پاس رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرما لینے کے بعد جب عہد صدیقی میں باغیوں اور مدعیان نبوت کے خلاف جنگوں میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں امت مسلمہ اہل کتاب کی طرح خدا کی کتاب کی نعمت سے محروم نہ ہو جائے۔

چنانچہ خلیفہ رسول حضرت ابوبکرؓ نے اس امر کا اہتمام کیا کہ قرآن مجید مکمل کتابی صورت میں مدون کیا جائے۔ اس کام کے لئے تمام کتابت شدہ قرآنی اجزا جو مختلف صحابہ کرام کے پاس موجود تھے' جمع کئے گئے۔ اس کام میں سب سے اہم نسخہ جو سب سے زیادہ کار آمد ثابت ہوا' وہ تھا جو ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے پاس تھا۔ خلیفہ رسولؐ نے اسے ان سے لے کر اہل علم صحابہ کی ایک جماعت کے تعاون سے تمام قرآنی جزا کو ایک مکمل مصحف کی صورت میں مدون کردیا اور یہی مکمل و مستند نسخہ جو تاریخ میں مصحف صدیقی کے نام سے مشہور ہوا سیدہ حفصہؓ کی تحویل میں دے دیا گیا۔

عثمانی دور میں عجمیوں کی ایک بڑی تعداد کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے جب قرآن پاک کی کتابت' املاء' تلفظ اور تلاوت میں اختلاف کی صورتیں سامنے آئیں تو خلیفہ وقت نے ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے پاس موجود نسخہ قرآن کی نقول کرا کر اپنی مہر کے ساتھ مملکت کے مختلف شہروں میں بھیجیں تاکہ پوری امت قرآن کی املاء اور تلفظ کے معاملے میں ہر قسم کے اختلاف و انتشار سے پوری طرح محفوظ و مامون ہو جائے۔

اس طرح کلام اللہ کی ترتیب و تدوین اور اس کی حفاظت و حصانت کے سلسلے میں ام المومنین سیدہ حفصہؓ کا کردار تاریخی بھی ہے اور امت محمدیہ کو متحد و متفق رکھنے میں عہد ساز بھی۔

سیدہ کے مزاج کی خصوصیت

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین سیدہ حفصہؓ طبعاً" تیز مزاج تھیں اور مزاج کی یہ تیزی ان کی خاندانی خصوصیت تھی۔ اس وقت عرب کے معاشرے میں خاص طور پر قبیلہ قریش میں بیوی کو دبا کر رکھا جاتا تھا۔

اسے اپنے خاوند کے سامنے بے تکلفی سے اپنے خیالات اور اپنے مافی الضمیر کے اظہار کی آزادی کم ہی تھی۔ معاشرتی اور کاروباری معاملات میں انہیں مشورہ دینے کی اجازت نہ تھی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو نوع انسانی کی ہر دو صنف کے خیرخواہ اور محسن تھے' انہوں نے عورت کی شخصیت' اس کی عزت اور اس کے حقوق کے تحفظ کی خاطر بے شمار اصلاحات کیں۔ وہیں آپؐ نے اپنے گھر میں اپنی بیویوں سے حسن سلوک کا ایک مثالی معیار قائم کیا۔ انہیں رائے کی آزادی کا پورا پورا حق دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں ازواج مطہرات کے متعلق ایسے واقعات بھی ملتے ہیں۔ جن میں وہ اپنی ضروریات اور اپنے مطالبات پوری بے باکی اور بے تکلفی سے حضورؐ کے سامنے پیش کردیا کرتی تھیں۔ معاشرتی اور سیاسی معاملات میں اپنی رائے آزادی سے دے دیتی تھیں۔

ام المومنین حضرت حفصہؓ کے مزاج کی یہ فطری تیزی بعض دفعہ تلخ صورت حال بھی پیدا کردیتی تھی۔ لیکن اس مبارک گھر کا ماحول ہی ایسا تھا کہ یہ تلخیاں جلد ہی محبت و ملائمت کی شیرینی میں تبدیل ہوجاتی تھیں۔ صورت حال کی وضاحت کے لئے ہم حضرت عمرفاروقؓ کی ایک روایت درج کرتے ہیں جسے صحیح بخاری نے نقل کیا ہے' اس میں آپ فرماتے ہیں:

"خدا کی قسم' ہم زمانہ جاہلیت میں عورتوں کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے تھے یہاں تک اللہ تعالے نے عورتوں کے سلسلے میں جو احکام نازل فرماتے تھے نازل فرمائے' ان کو جو حقوق دلوانے تھے دلوائے۔ میں ایک دن اپنے کسی کام کے سلسلے میں کچھ سوچ بچار کر رہا تھا کہ میری بیوی نے کہا کہ اگر تم ایسا

کرتے اور یہ کرتے تو بہتر ہوتا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم کو بولنے کا کیا حق ہے اور تم یہاں کیوں آئی ہو اور جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس میں کیوں خلل انداز ہوتی ہو؟ اس نے مجھ سے کہا کہ اے ابن خطاب، تم پر حیرت ہے، تم یہ چاہتے ہو کہ کوئی تم سے بات اور سوال و جواب ہی نہ کرے جب کہ تمہاری صاجزادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سوال و جواب کرلیتی ہے اور بسا اوقات نوبت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ دن بھر ناراضگی رہتی ہے۔ یہ بات سن کر میں اسی وقت اپنی چادر لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور حفصہؓ کے گھر پہنچا اور اس سے دریافت کیا اے بیٹی، کیا تم حضورؐ کو اس طرح جواب دیتی ہو کہ آپ بعض دفعہ دن بھر ناراض رہتے ہیں۔ حفصہؓ نے کہا "بخدا، ہم آپؐ سے سوال جواب کرلیتے ہیں۔" میں نے کہا: "خوب ذہن نشین کرلو کہ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ میں تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور رسولؐ اللہ کے غضب سے ڈراتا ہوں۔ اے بیٹی، تم اس کی دیکھا دیکھی دھوکہ نہ کھانا جس کو اس کے حسن اور رسولؐ اللہ کی محبت نے نازاں کردیا ہے۔" (یعنی ام المومنین عائشہؓ)

سیدنا عمر فاروقؓ کی اپنی بیٹی کو یہ فہمائش اور یہ تنبیہہ شمع رسالت کے ایک پروانے اور بارگاہ نبوت کے ایک دیوانے کی حیثیت سے بالکل بجا تھی۔ اور ان کا فرض بھی یہی تھا جو انہوں نے ادا کیا۔ لیکن یہ بات بھی مبنی برحقیقت تھی کہ دونوں جہانوں کے سردار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ حفصہؓ کے شوہر بھی تھے۔ اور یہ مقدس اور بابرکت رشتہ وہ ہے۔ جہاں نیازمندانہ اور عقیدتمندانہ ادب واحترام کے ساتھ ساتھ بے تکلفی اور آزادی سے اپنے دل کی بات کہہ دینا، اپنے دکھ درد کا اظہار اور اپنی

ضروریات اور حاجات کو پیش کر دینا اس کے بنیادی اور فطری لوازمات ہیں۔ نبیؐ کا گھرانا پوری نوع انسانی کے لئے ایک نمونہ کا گھر تھا۔ اس لئے یہاں انسانی جذبات و احساسات اور انسانی رشتوں کی فطری نزاکتوں اور لطافتوں پر قدغن کس طرح مناسب ہو سکتی تھی۔ یہ گھر قید خانہ نہیں بلکہ ایک ایسی تربیت گاہ تھی جہاں انسانی جذبوں اور ولولوں کو دبا دینا اور فنا کر دینا مقصود نہ تھا بلکہ پیش نظر ان کی تہذیب و تعدیل تھی' جو ہوئی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس گھر میں بشری تقاضوں کے زیر اثر پیدا ہو جانے والی ہر ناہمواری و ناگواری ' ہر تلخی و رنجش اور ہر منازعہ و مناقشہ مزید ہمواری و خوش اسلوبی باہمی الفت و انسیت اور باہمی خیرخواہی و دلسوزی کا موجب بن جاتا تھا۔ کیونکہ فیضان نبوت کی برکت سے اس برگزیدہ گھر کے مکین بنیادی طور پر ذہن ارجمند اور قلب دردمند کی دولت سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ ان کی روحیں پاکیزہ' ان کے دل نور ایمان سے منور اور ان کے سینے خدا کے رسولؐ کی محبت سے سرشار تھے۔ یہی حال ام المومنین سیدہ حفصہؓ کا تھا۔

خصوصی بشارت

سیدہ حفصہؓ اپنے مزاج کی تیزی کے باوجود اپنے اخلاص و للّٰہیت' اپنے ایمان و ایقان' اپنے زہد و ریاضت اپنے جذبہ حب رسولؐ اور اپنے شوہر کی وفاشعارانہ اطاعت کی بنا پر بارگاہ خداوندی میں کس بلند مقام پر فائز ہو چکی تھیں' اس کا اندازہ اس حدیث سے ہو سکتا ہے جو "الاستیعاب" اور طبقات ابن سعد میں منقول ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک روز حضرت جبرائیل علیہ السلام حضورؐ کے پاس آئے اور سیدہ حفصہؓ کے متعلق درج ذیل الفاظ

"وہ بہت عبادت کرنے والی اور بہت روزے رکھنے والی ہیں۔ یارسول اللہ، وہ جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہیں۔"

افشائے راز کا واقعہ قرآن میں

قرآن مجید کی سورہ تحریم میں اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔

"(یہ معاملہ بھی قابل توجہ ہے) کہ نبیؐ نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے راز میں کہی تھی۔ پھر جب اس بیوی نے کسی اور پر وہ راز ظاہر کردیا اور اللہ نے نبیؐ کو اس افشائے راز کی اطلاع دے دی تو نبیؐ نے کسی حد تک اس بیوی کو خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگزر کیا۔ پھر جب نبیؐ نے اسے افشائے راز کی یہ بات بتائی تو اس نے پوچھا آپؐ کو اس کی کس نے خبردی۔ نبیؐ نے کہا مجھے اس نے خبر دی ہے جو سب کچھ جانتا ہے اور خوب باخبر ہے۔" (سورہ تحریم آیت ۳)

اس آیت میں بیان کردہ واقعہ کی تصریح کرتے ہوئے ارباب سیر نے بہت سی روایات بیان کی ہیں جن سے انہوں نے کوشش کی ہے کہ وہ اس زوجہ نبیؐ کا تعین کریں جو افشائے راز کی مرتکب ہوئیں نیز اس امر کا کھوج لگائیں کہ وہ راز کیا تھا جس کے افشاء پر یہ گرفت ہوئی۔ بعض محدثین اور سیرت نگاروں نے وضاحت کے ساتھ ام المومنین سیدہ حفصہؓ کا نام لیا ہے۔ کہ یہ واقعہ ان کے متعلق ہے۔ ہمارے خیال میں یہ تمام کوششیں قرآن پاک کے طرز بیان کے تقدس کے منافی ہیں اس لئے ہم قاضی سلیمان منصورپوری کی اس فاضلانہ اور حکیمانہ رائے سے پوری طرح متفق ہیں کہ جب خدائے بزرگ و برتر کو اپنے محبوب رسولؐ کے گھرانے کی عزت و حرمت کا اتنا پاس ہے کہ اس نے کسی کا نام نہیں لیا تو ہم کون ہیں کہ اس

بارے میں جرات سے کام لے کر کسی کا نام لیں۔ اسی طرح راز کا کھوج لگانا بھی کسی طرح پسندیدہ نہیں۔ راز کے افشاء پر ہی تو یہ تنبیہہ ہو رہی ہے۔ اس کے بعد ہمارے لئے اس راز کو طشت ازبام کرنا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے؟ اگر یہ راز واقعی ہمارے لئے اہم ہوتا تو رب العزت خود ہی قرآن میں اس کی وضاحت کر دیتا۔

مذکورہ بالا آیت میں ازواج مطہرات کو یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کا شوہر یعنی اللہ کا نبیؐ ذمے داری کے ایک اہم منصب پر فائز ہے۔ مخالفین اور منافقین سے مسلسل جہاد میں مصروف ہے۔ اس کا سینہ بے شمار اہم قومی' ملی اور ملکی رازوں کا گنجینہ ہے جن کی حفاظت اس کے ساتھیوں کے لئے عموماً" اور اس کی بیویوں کے لئے خصوصاً" نہایت ضروری ہے۔ اس میں ذرا سی غفلت بھی بے شمار مصائب کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

اسی لئے آپؐ کی کسی زوجہ مطہرہ سے اس سلسلے میں جو کوتاہی ہوئی اس پر اصلاح حال کی خاطر فوراً" گرفت کی گئی' حالانکہ اس نے اپنے شوہر کا راز کسی غیر پر نہیں بلکہ اپنے گھر کے ایک فرد پر ہی ظاہر کیا تھا۔ لیکن خدائے قدوس نے اپنے رسولؐ کی ازواج مطہرات کو اہم ذمے داریوں کے جس منصب پر فائز کیا تھا اس کے پیش نظر یہ چوک بھی ناپسندیدہ اور غیر مستحسن تھی۔

حج کی ادائیگی

حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ ام المومنین سیدہ حفصہؓ نے ۱۰ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں عمرے اور حج کی ادائیگی کا شرف حاصل کیا۔ اس سفر حج میں تمام ازواج مطہرات شامل تھیں۔ اس طرح اللہ

کے آخری نبیؐ نے اپنی نگرانی اور تربیت میں خواتین کی ایک ایسی جماعت تیار کردی جو اسلام کے اہم ترین رکن حج کے آداب و مناسک اور اس سے متعلق احکام و مسائل کی تعلیم طبقہ خواتین کو پورے وثوق اور کامل اعتماد کے ساتھ دے سکیں۔

وفات

ام المومنین سیدہ حفصہؓ نے ایک روایت کے مطابق ۴۱ھ میں اور علامہ ابن سعد کے بیان کے مطابق امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں ،عمر تریسٹھ سال ۴۵ھ میں وفات پائی۔ مدینے کے گورنر مروان بن حکم اور مشہور صحابی رسولؐ حضرت ابوہریرہؓ سمیت بے شمار اہل مدینہ نے اپنی دینی اور روحانی ماں کے جنازے میں شمولیت کی۔ گورنر نے نماز جنازہ کی امامت کے فرائض انجام دیئے۔ مدینے کے قبرستان میں ان کے بھائیوں حضرت عبداللہؓ اور حضرت عاصمؓ اور بھتیجوں سالم اور عبداللہ نے انہیں ان کی آخری آرام گاہ میں اتارا۔ اس طرح حرم نبوی کی ایک ایسی شمع جس کی عبادت گزاری ' تقویٰ و پارسائی اور سخاوت و فیاضی کی دلنواز روشنی نے ماحول کو روشن کیا ہوا تھا بظاہر گل ہوگئی۔ لیکن اس شمع نے اپنی روحانی اولاد کو علم و حکمت اور حقائق و معارف کی جو روشنی عطا کی تھی وہ ان بیان کردہ احادیث کی صورت میں قیامت تک ان کے ذہنوں ' دلوں اور اس کی سعی و عمل کی راہوں کو منور کئے رکھے گی۔

ام المومنین سیدہ حفصہؓ سے ساٹھ روایات منقول ہیں۔ ان میں سے چار متفق علیہ ہیں۔ چھ صحیح مسلم میں اور باقی پچاس احادیث کی دوسری کتابوں میں ہیں۔

گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی کوئی اولاد نہ ہوئی لیکن اپنی روحانی اولاد سے شفقت و محبت کا جو گہرا تعلق تھا' اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کی غابہ والی جائیداد رفاہی کاموں کے لئے وقف کردی جائے۔

باب نمبر۵

دو عظیم المرتبت شہیدان حق کی رفاقت کا لازوال شرف حاصل کرنے والی
اور اللہ کے رسولؐ کی زندگی میں ہی سفر آخرت اختیار کرنے والی خاتون

ام المومنین سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۲۷۴	تعارف	۱
۲۷۴	ابتدائی حالات	۲
۲۷۶	شعب ابی طالب	۳
۲۷۷	ہجرت مدینہ	۴
۲۷۸	غزوہ بدر اور سیدہؓ کا اعزاز	۵
۲۸۰	شہید عشق کی بارگاہ الٰہی میں قبولیت	۶
۲۸۱	سیدہ زینبؓ عالم بیوگی میں	۷
۲۸۱	حضرت عبداللہ بن جحش سے نکاح	۸
۲۸۲	غزوہ احد اور سیدہ زینبؓ کے گھر کا ایثار	۹
۲۸۳	پیہم قربانیوں کا صلہ	۱۰
۲۸۴	ام المومنین بننے کا اعزاز	۱۱
۲۸۴	مختصر ترین مدت	۱۲
۲۸۴	خصوصی امتیازات	۱۳

ازواج مطہرات میں سے جس خوش قسمت خاتون کو یہ منفرد اعزاز حاصل ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی حیات مبارکہ میں ہی اس دنیا سے رخصت فرمایا اور ان کی نمازہ جنازہ خود پڑھا کر ان کے لئے رحمت و مغفرت اور بلندی درجات کی پورے خشوع و خضوع سے دعا کی وہ ام المومنین سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ تھیں۔ گو ام المومنین سیدہ خدیجہؓ بھی آپؐ کی زندگی میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی تھیں لیکن اس وقت تک میت کے لئے نماز جنازہ کی ادائیگی کا حکم شارع حقیقی کی طرف سے موصول نہیں ہوا تھا۔

ابتدائی حالات

سیدہ زینبؓ واقعہ بعثت سے تیرہ سال قبل مکے میں پیدا ہوئیں۔ مورخین نے ان کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

زینبؓ بنت خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبدمناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔

ان کی پہلی شادی عہد جاہلیت میں طفیل بن حارث بن مطلب کے

ساتھ ہوئی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد طفیل نے انہیں طلاق دے دی۔ اس کے بعد ان کا نکاح حضرت عبیدہؓ بن حارث بن مطلب سے ہوا۔ حضرت عبیدہؓ حضورؐ کے پردادا ہاشم کے سب سے چھوٹے بھائی مطلب کے پوتے تھے۔ اس طرح وہ رشتے میں آپؐ کے چچا ہوتے تھے۔

مورخین نے اس امر کی صراحت نہیں کی کہ سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ نے ایمان و اسلام کی دولت کب حاصل کی اور ان کا حضرت عبیدہؓ سے نکاح کب ہوا۔ لیکن سیدہ کے اعلیٰ اخلاق اوصاف اور رب جلیل کی طرف سے ان کے لئے خصوصی اعزازات کو دیکھتے ہوئے گمان ہوتا ہے کہ سیدہ اسلام کے ابتدائی دور میں ہی مشرف بہ اسلام ہوگئی تھیں اور شعب ابی طالب کے مشہور واقعے کے وقت وہ حضرت عبیدہؓ بن حارث کے نکاح میں تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سیدہ زینبؓ ابتدا ہی سے نہایت فیاض، کشادہ دست اور فراخ دل تھیں۔ وہ غریبوں اور مسکینوں کی جس دریادلی سے اعانت فرماتیں اور جس محبت و شفقت سے بھوکوں کو کھانا کھلاتی تھیں اس کی وجہ سے وہ سوسائٹی میں ام المساکین (مسکینوں کی ماں) کے لقب سے مشہور و معروف ہوگئی تھیں، پھر تاریخ میں یہی لقب ان کے نام کا لازمی حصہ بن گیا۔

سیدہ زینبؓ کے شوہر عبیدہؓ بن حارث ایک عالی حوصلہ اور بلند ہمت شخصیت کے حامل تھے۔ انہوں نے دعوت حق کو اس دور میں قبول کیا جبکہ ایسا کرنا اپنے آپ کو آلام و مصائب کے خونخوار دیو کے حوالہ کرنے کے مترادف تھا۔ اس وقت حق کے پرستاروں کی تعداد مٹھی بھر تھی۔ کفار و مشرکین کا ظلم و ستم اپنے عروج پر تھا۔ انہوں نے اہل حق پر عرصہ حیات

تنگ کر کے رکھ دیا تھا۔ اس لئے اللہ کے نبیؐ نے اپنے چند جانثاروں کے ساتھ حضرت ارقم کے مکان میں پناہ لی۔ یہ مکان کوہ صفا کے دامن میں واقع تھا۔ ان وفاشعار ساتھیوں میں حضرت عبیدہؓ بن حارث بھی تھے۔ گو وہ اس وقت جوانی کی منزلوں سے گزر چکے تھے تاہم حق کی حمایت اور اللہ کے رسولؐ کی نصرت میں ان کا جذبہ اور ولولہ جوانوں سے کسی طرح کم نہ تھا۔

شعب ابی طالب

نبوت کے ساتویں سال جب قریش مکہ نے دیکھا کہ ان کے بے پناہ ظلم و ستم اور ان کے بے کراں جور و تعدی کے باوجود حق کو اپنے سینوں سے لگانے والوں کی تعداد مسلسل بڑھتی جارہی ہے اور ان کی ایک اچھی خاصی تعداد ان کے اقتدار و تصرف کی حدود سے نکل کر حبشہ کے دارالامن میں پناہ گزین ہوچکی ہے تو وہ وفور غضب سے دیوانے ہوگئے اور ایک اجتماع میں متفقہ فیصلہ کیا کہ جب تک بنوہاشم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے حوالے نہیں کردیں گے کوئی شخص ان سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھے گا۔ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی جائے گی نہ ان سے رشتہ ناتا کیا جائے گا اور نہ انہیں کھلے بندوں پھرنے دیا جائے گا۔ یہ معاہدہ لکھ کر حرم کے دروازے پر لٹکادیا۔

جب بنوہاشم کو اس معاہدے کا علم ہوا تو انہوں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے حوالے کرنے سے انکار کردیا اور حضرت ابوطالب خاندان کے سب لوگوں کو ساتھ لے کر پہاڑ کے ایک درے میں چلے گئے جو شعب ابی طالب کہلاتا تھا۔ لیکن ابولہب ہاشمی ہونے کے باوجود ان کے ساتھ شامل نہیں ہوا۔ اس کٹھن اور زہرہ گداز مرحلہ پر بنو مطلب نے بنوہاشم کا پورا پورا ساتھ دیا کیونکہ حضورؐ کی حمایت و حفاظت کا جس طرح بنوہاشم نے

عہد کیا تھا' اسی طرح بنو مطلب نے بھی آپؐ کے تحفظ کی قسم کھائی تھی۔

اپنے بلند نصب العین کی خاطر ہر قسم کی سختیاں جھیلنے والوں میں حضرت عبیدہؓ بن حارث بھی شامل تھے۔ اگر سیدہ زینبؓ اس وقت ان کے عقد نکاح میں تھیں تو وہ بھی لازماً" ان دلدوز مصیبتوں میں برابر کی شریک تھیں۔

مقاطعے اور محاصرے کا یہ دور مسلسل تین سال تک جاری رہا۔ اس عرصے میں محصورین پر کیا بیتی؟ اس کا ذکر مورخین اور ارباب سیر نے بڑی تفصیل سے کیا ہے جس کا خلاصہ اس طرح ہے:

"اس دوران میں ظالم محاصرین کھانے پینے کی کوئی چیز حتی الوسع خدا کے رسولؐ اور اس کے حامیوں تک نہیں پہنچنے دیتے تھے۔ محصورین کے بچے بھوک سے بلبلاتے تھے تو سنگدل مشرکین ان کی آوازیں سن سن کر خوش ہوتے تھے۔ عورتوں کی چھاتیوں میں دودھ خشک ہوگیا تھا۔ ان بے بس گھرے ہوئے لوگوں کے منہ میں کئی کئی دن تک ایک کھیل بھی اڑ کر نہ جاتی تھی۔ بعض اوقات یہ بیکس درختوں اور جھاڑیوں کی پتیاں کھا کر اپنی بھوک کی آگ بجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر انہیں کہیں سے سوکھا چمڑہ مل جاتا تو اس کو بھون کر ستو کی طرح پھانک لیتے تھے؟"

آفرین ہے ان بلند کردار اور تاریخ ساز مردان باہمت پر کہ ان زہرہ گداز اور روح سوز تکلیفوں اور مصیبتوں کے باوجود مسلسل تین سال کے طویل اور کٹھن عرصے میں ایک لمحہ کے لئے بھی عبداللہ کے دریتیم اور اللہ کے پیارے رسولؐ کا ساتھ چھوڑنے کا خیال تک دل میں نہیں لائے۔ آخر کار یہ محاصرہ ختم ہوا۔

ہجرت مدینہ

جب ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو مدینے کی طرف، ہجرت کرنے کی اجازت دی تو سیدہ زینبؓ بھی اپنے شوہر حضرت عبیدہؓ کے ہمراہ مکے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں۔ حضرت عبیدہؓ کو اللہ کے دین اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جو جان سپارانہ اور عاشقانہ لگاؤ اور تعلق تھا اس کی وجہ سے وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے نزدیک بڑی قدر و منزلت کے حامل تھے۔ اسی وجہ سے وہ لوگوں میں شیخ المہاجرین کے لقب سے مشہور ہوئے۔

غزوہ بدر اور سیدہ کا اعزاز

ماہ رمضان المبارک ۲ھ کو بدر کے میدان میں خدائے واحد کے پرستار اور معبودان باطل کے پجاری ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور مشرکین کے کیمپ سے عتبہ و شیبہ اور ولید اپنی بہادری اور شجاعت پر اکڑتے اور اتراتے میدان میں آئے اور مبارزت طلب کی تو اسلام کے سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ کو حکم دیا کہ وہ خدا کی خوشنودی اور اس کے دین کی سربلندی کے لئے قریش کے ان جنگجو بہادروں کے مقابلے میں نکلیں۔

ایک قابل غور نکتہ

آمنہ کے لال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اللہ کا رسول اور بے لوث ہمدرد انسانیت ہونے کا یہ ایک ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آپؐ خطرات اور قربانی کے مواقع پر اپنی ذات اور اپنے قریب ترین اشخاص کو سب سے آگے رکھتے ہیں اور جب مفادات کے حصول کا وقت آتا ہے تو اپنی ذات پر، اپنے

اہل و عیال پر اور اپنے عزیز ترین اشخاص پر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں۔ غزوہ بدر کے اس مرحلہ پر بھی آپؐ کا یہی طرزِ عمل سامنے آتا ہے۔ قریش کی طرف سے مقابلے کی للکار دینے والوں کا تعلق خاندان بنی عبدالشمس سے تھا۔ آپؐ ان کے مقابلے میں اپنے خاندان بنی ہاشم کے ہی تین شیر مرد بھیجنا چاہتے تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ لشکر اسلام میں آپؐ کے علاوہ صرف دو ہاشمی موجود تھے، یعنی حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اس لئے آپؐ نے تیسرا شخص اپنے حلیف خاندان بنو مطلب سے لیا، یعنی حضرت عبیدہؓ کو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں مقدس ہستیاں قرابت اور رشتے کے لحاظ سے اسلامی کیمپ میں موجود تمام جانثاروں میں آپؐ کو سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ لیکن جب زکوٰۃ و صدقات کی مد سے نفع حاصل کرنے کا وقت آیا تو اپنی ذات اور اپنے ان فداکار عزیزوں کے خاندانوں کو بھی اس سے روک کر اس کی فیض رسانی دوسرے ضرورت مند بندگان خدا کے لئے عام کردی۔

بدر کے میدان میں

حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے تو اپنے حریفوں کو قتل کرکے کافروں اور مشرکوں کے دلوں کو ہیبت زدہ کردیا مگر حضرت عبیدہؓ کے حریف نے اپنی تلوار کے ایک وار سے ان کے ایک پاؤں کو شہید کردیا۔ گو حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے ان کے مدمقابل کو بھی واصل جہنم کرکے اہل ایمان کے دلوں کو فتح و کامرانی کی نوید سے شادکام کیا لیکن حضرت عبیدہؓ سخت زخمی ہوگئے۔ ان کی پنڈلی سے گودا بہنے لگا۔ انہیں اسی حالت میں میدان سے اٹھا کر رحمت

للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ گو ان کا جسم زخموں سے چور تھا لیکن انہوں نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ کیا مجھے شہادت کی موت نصیب نہ ہو گی؟"

حضورؐ نے فرمایا:

"عبیدہؓ بلاشبہ تم شہید ہو اور متقیوں کے امام ہو۔"

اس بشارت پر ان کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا اور انہوں نے کہا:

"اگر آج ابوطالب زندہ ہوتے اور مجھے اس حالت میں دیکھتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ میں ان کے اس شعر کا کس قدر مستحق ہوں۔

(شعر کا ترجمہ)

ہم محمد (صلعم) کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے گرد جانیں دے دیں گے اور اپنے اہل و عیال سے بے نیاز ہو جائیں گے۔"

لشکر اسلام میدان بدر سے فتح و نصرت کے جھنڈے لہراتا ہوا اپنے مرکز مدینے کی طرف مراجعت فرما ہوا۔ راستے میں وادی "صفراء" کے مقام پر حضرت عبیدہؓ کا آخری وقت آن پہنچا۔ اور اسی وادی کو اس شہید حق کی آخری آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔

شہید عشق کی بارگاہ الٰہی میں قبولیت

حضرت عبیدہؓ کی شہادت بارگاہ الٰہی میں ایسی مقبول ہوئی کہ وہ وادی جسے اس عاشق رسولؐ کے جسم اطہر کی امانت گاہ بننے کا اعزاز عطا ہوا مدتوں تک اس کی فضا قلب و روح کو معطر اور مسحور کردینے والی خوشبوؤں سے مہکتی

رہی۔ غزوہ بدر کے کافی عرصہ بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ

کرام کے ساتھ اس وادی سے گزرے اور رات کو وہیں قیام کیا۔ ہوا چلنی شروع ہوئی تو اس میں سے مشک کی عطر بیز لپٹیں آرہی تھیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ، کہیں سے مشک کی مہک اتنی کثرت اور فراوانی سے آرہی ہے کہ اس سے ہمارا مشام جان معطر ہوگیا ہے۔"

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابومعاویہ (عبیدہؓ) کی قبر کے یہاں ہوتے ہوئے تمہیں مشک کی ان لپٹوں پر تعجب کیوں ہے؟

سیدہ زینبؓ عالم بیوگی میں

سیدہ زینبؓ کا یہ اعزاز اور یہ شرف کتنا قابل قدر اور لائق رشک تھا کہ انہیں ایک ایسے مرد خدا کی رفاقت حاصل تھی جسے خدا کے نبیؐ نے نیکو کاروں کا پیشوا قرار دیا تھا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اپنی پوری قوتیں اور توانائیاں صرف کردیں تھیں اور جس نے اپنے سرخ خون کا نذرانہ دے کر دین حق کے شجر کو پربہار اور پرثمر بنا دیا تھا۔ اگرچہ شہادت سیدہؓ کے لئے تنہائی اور بے چارگی کا پیغام لے کر آئی مگر اللہ کی رحمت پر ایمان رکھنے والی اس صاحب عزیمت خاتون نے یہ صدمہ جانکاہ پورے صبر و ثبات سے برداشت کیا اور زبان حال سے اس حقیقت کا اعلان کیا کہ "ہم سب اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔"

حضرت عبداللہؓ بن جحش سے نکاح

عدت کا عرصہ گزر جانے کے بعد سیدہ زینبؓ کا نکاح حضرت عبداللہؓ بن جحش سے ہوا۔ حضرت عبداللہؓ قدیم الاسلام تھے۔ انہوں نے خدا کی راہ میں پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ منورہ کی طرف۔ حضرت عبداللہؓ حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور اسلام کے پرجوش مجاہد تھے۔ اللہ کی محبت ارتقاء کی منزلیں طے کر کے "عشق الٰہی" کی صورت اختیار کر گئی تھی جس کی تپش نے ان کی روح کو گرما دیا تھا۔ گو انہوں نے عشق و محبت کی اس تپش اور اس حدت کو خدا کے دین کی خدمت کی خاطر صبر و ضبط کے لطیف فانوس میں مقید کر کے رکھا ہوا تھا، لیکن غزوہ احد کے موقع پر یہ شدت بے قابو ہو گئی۔ انہوں نے وفور عشق سے بے خود ہو کر معرکہ احد سے ایک دن قبل اپنے معشوق حقیقی کی بارگاہ میں پورے وثوق سے التجا کی:

"اے میرے اللہ، کل میرے مقابلے میں ایسا آدمی لانا جو بڑا بہادر اور تند ہو۔ میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے، یہاں تک کہ میں لڑتے لڑتے تیری راہ میں اس کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤں۔ اور پھر وہ میری ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ جب میں تجھ سے ملوں اور تو مجھ سے پوچھے کہ تیری ناک اور کان کیوں کاٹے گئے تو میں عرض کروں کہ اے اللہ، تیرے لئے اور تیرے رسولؐ کے لئے۔ میرے جواب پر تو فرمائے کہ ہاں تو سچ کہتا ہے۔"

اس مرد صادق کی اپنے محبوب حقیقی کی راہ میں مر مٹنے کی التجا اور دعا اس کے پردرد اور پرسوز دل کی گہرائیوں سے کچھ اس انداز سے نکلی تھی کہ اجابت خود اس کے استقبال کے لئے عرش بریں کی بلندیوں سے فرش زمین پر پہنچ گئی۔

غزوہ احد اور سیدہ زینبؓ کے گھر کا ایثار

غزوہ احد میں سیدہ زینبؓ کے رفیق زندگی بھی دوسرے مجاہدین اسلام کی طرح کفر و طاغوت کی طوفانی اور سرکش لہروں کے سامنے عزیمت و استقامت کی مضبوط چٹان بن کر کھڑے ہوگئے۔ شوق شہادت عالم شباب پر تھا۔ بڑی بے جگری سے لڑے۔ لڑتے لڑتے ان کی تلوار ٹوٹ گئی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھجور کی مضبوط چھڑی عطا فرمائی جس سے انہوں نے تلوار کا کام لیا۔ اسی حالت میں ابوالحکم بن اخنس ثقفی نے ان پر تلوار کا ایک بھرپور حملہ کیا جس سے وہ شہید ہوکر زمین پر گر پڑے۔ مشرکین نے جوش انتقام سے مغلوب ہوکر ان کی لاش کا مثلہ کیا اور ناک' کان کاٹ لئے۔ اس طرح حسن حقیقی کا یہ عاشق زار اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ اسی بنا پر وہ تاریخ اسلام میں "المسجدع فی اللہ" کے معزز لقب سے بہرہ ور ہوئے۔

حضرت عبداللہؓ بن جحش کی عمر شہادت کے وقت چالیس سال تھی۔ حضورؐ نے انہیں اپنے چچا حضرت حمزہؓ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا۔

سیدہ زینبؓ نے اس طرح دنیا کی اپنی سب سے قیمتی متاع اپنے مولائے حقیقی کی بارگاہ میں بطور نذرانہ پیش کرکے بے مثل سعادت اور بے کراں عز و شرف حاصل کیا۔

پیہم قربانیوں کا صلہ

سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ متواتر دوبار اپنی زندگی کے بلند و ارفع نصب العین کے حصول کی جدوجہد میں اپنی پوری دنیا لٹا چکی تھیں۔ اس دنیائے فانی کی تمام سہولتیں اور آسودگیاں حق کی راہ میں قربان کرچکی تھیں۔ ان کی یہ قربانیاں بارگاہ رب العزت میں مقبول و مشکور ہوئیں۔ اسی لئے اب انہیں

طبقہ اناث کے اعلیٰ ترین اعزاز سے نوازنے کا فیصلہ ہوا۔

ام المومنین بننے کا اعزاز

حضرت عبداللہؓ بن جحش کی شہادت کے بعد سیدہ زینبؓ مادی اور ظاہری سہاروں سے یکسر محروم ہو چکی تھیں۔ لیکن خدا کے رسولؐ کی رحمت کب یہ گوارا کر سکتی تھی کہ اللہ کے دین کی ایک جانثار خادمہ کا حال اور مستقبل مایوسیوں اور ناامیدیوں کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں گم ہو کر رہ جائے' چنانچہ آپؐ نے انہیں اپنی طرف سے نکاح کا پیغام دیا جو منظور ہوا۔ ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی یعنی چار سو اسی درہم مقرر ہوا۔ سیدہ کی عمر اس وقت ۳۰ سال تھی۔

مختصر ترین مدت

سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ مگر کاشانہ نبوتؐ میں ان کے قیام کی مدت نہایت مختصر رہی۔ صرف دو تین ماہ بعد ہی اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔

حضورؐ نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور بادیدہ تر اپنے سامنے انہیں قبر میں اتروایا۔ مدینے کے قبرستان جنت البقیع میں محو استراحت ہیں۔

ام المومنین سیدہ زینبؓ کے خصوصی امتیازات

۱۔ اپنی غریب پروری اور کشادہ دلی کی اعلیٰ صفات کی بنا پر ام المساکین کے لقب سے ملقب ہوئیں۔

۲۔ پے در پے دو مجاہدین اسلام اور شہیدان حق کی زوجیت اور رفاقت

میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔

۳۔ تمام امہات المومنین میں یہی وہ خوش قسمت خاتون ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی مغفرت کے لئے دعائے خیر کی۔

۴۔ انہیں یہ بھی انفرادی امتیاز حاصل ہے کہ ان کی ایک ماں جائی بہن کو بھی ام المومنین بننے کا اعزاز حاصل ہوا، یعنی سیدہ میمونہؓ کو جو ۷ ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔

نمبر شمار	کتابیات	
۱	امام مالک	موطا
۲	امام محمد بن اسماعیل بخاری	صحیح بخاری
۳	امام مسلم بن حجاج	صحیح مسلم
۴	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی	جامع ترمذی
۵	امام احمد بن شعیب نسائی	نبوی لیل و نہار
۶	شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب عمری	مشکوٰۃ المصابیح
۷	علامہ محمد فواد عبدالباقی	اللؤلؤ والمرجان
۸	امام یحییٰ بن شرف النووی	ریاض الصالحین
۹	علامہ محمد بن سعد	طبقات ابن سعد
۱۰	علامہ عبدالملک بن ہشام	سیرت النبی (کامل)
۱۱	علامہ ابن اثیر	الکامل (سیرت رسول)
۱۲	علامہ جلال الدین سیوطی	تاریخ الخلفاء
۱۳	علامہ ابن حجر عسقلانی	اصابہ
۱۴	علامہ ابن عبدالبر	الاستیعاب
۱۵	قاضی ابویوسف	کتاب الخراج
۱۶	علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری	تاریخ طبری
۱۷	علامہ شبلی نعمانی	سیرت النبیؐ
۱۸	"	الفاروق
۱۹	قاضی سلیمان منصورپوری	رحمتہ للعالمین

نمبر شمار	کتابیات	
۲۰	”	سفر نامہ حجاز
۲۱	سید ابوالاعلیٰ مودودی	تفہیم القرآن
۲۲	”	سیرت سرورؐ عالم
۲۳	”	پردہ
۲۴	”	حقوق الزوجین
۲۵	علامہ سید سلیمان ندوی	سیرت عائشہؓ
۲۶	”	خطبات مدراس
۲۷	ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری	سیرۃ الرسولؐ
۲۸	علامہ محمد رضا مصری	محمدؐ
۲۹	مولانا مفتی محمد شفیع	معارف القرآن
۳۰	مولانا امین احسن اصلاحی	تدبر قرآن
۳۱	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	کنزالایمان فی ترجمتہ القرآن
۳۲	ڈاکٹر حمید اللہ	خطبات بہاولپور
۳۳	ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ	خطباتِ حرم
۳۴	سعید انصاری	سیرالصحابیات
۳۵	مولانا محمد یوسف کاندھلوی	حیات صحابہؓ
۳۶	شاہ معین الدین احمد ندوی	تاریخ اسلام
۳۷	خلیفہ عبدالحکیم	تاریخ اسلام
۳۸	ڈاکٹر ثروت صولت	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ

نمبر شمار	کتابیات	
۳۹	عبدالحمید الزہراوی	خدیجہؓ
۴۰	سید ابوالحسن علی ندوی	المرتضیٰؓ
۴۱	ابوالقاسم رفیق دلاوری	محسنؐ اعداء
۴۲	شاہ مصباح الدین شکیل	سیرت احمد مجتبےؐ
۴۳	طالب الہاشمی	تذکار صحابیات
۴۴	"	خلیفتہ الرسولؐ
۴۵	"	فاطمتہ الزہراؓ
۴۶	"	خیرا لبشرؐ کے چالیس جانثار
۴۷	"	وفود عرب بارگاہ نبویؐ میں
۴۸	ڈاکٹر نصیراحمد ناصر	پیغمبراعظم و آخرؐ
۴۹	شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب	سیرۃ الرسولؐ
۵۰	ڈاکٹر محمد عبدالحی	اسوہ رسول اکرمؐ

حافظ افروغ حسن
کے
رواں اور شستہ قلم کی شاہکار تحریر
سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی روحانیت کا
گلزارِ کہکشاں
حضرت خواجہ باقی باللہؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، خواجہ محمد معصومؒ
اور خواجہ سیف الدینؒ کی انقلاب آفریں تاریخ ساز تحریک
احیائے دین کا ایمان پرور تذکرہ اور پشتو پنجابی تحریک کے سنگم پر
واقع موسیٰ زئی کے روحانی قائدین حاجی دوست محمد قندھاریؒ، خواجہ محمد عثمان
دامانیؒ اور خواجہ سراج الدینؒ کی دینی اور روحانی خدمات کی داستان۔
ضخامت ۲۸۸ صفحات
قیمت -/۷۰ روپے
مکتبہ اردو ڈائجسٹ ۲۴ سرکلر روڈ لاہور
فون ۲۲۸۰۳۷